بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ
محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکرِ اسلام امام احمد رضا حنفی کے اصلاحی و تحقیقی افکار کا ترجمان

# ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد: 31 شمارہ: 09

ستمبر ۲۰۱۱ء / شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

## حُسنِ ترتیب





ہدیہ فی شمارہ: 30 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/300 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/600 روپے
بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔ ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214-حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل
25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔
فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+
ای میل: imamahmadraza@gmail.com
ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ «ادارہ»

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

# اپنی بات: امکانِ نظیر سے قادیانیت تک

**پروفیسر دلاور خاں**

غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت سنی، حنفی اور صوفی مشرب سے تعلق رکھتی تھی۔ معدودے چند اہلِ تشیع سے وابستہ تھے۔ انگریز اس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ سوادِ اعظم اہلِ سنّت کی مذہبی وحدت یعنی سُنّی امتیازات، فقہ حنفی کی اثر پزیری اور تصوف میں اختلافات کو ہوا دیے بغیر یہاں قدم جمانا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن بھی ہے۔ ان مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے عیسائی مشنری کو دعوت دی کہ وہ یہاں سنی مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کریں تاکہ ان کے اقتدار کو یہاں دوام ملے اور حکومت کے خلاف کوئی سازش سر نہ اٹھا سکے۔ علما و مشائخ نے فکری اور علمی طور ان سے کامیاب مناظرے کیے اور کئی کتب تحریر فرمائیں۔ ان کی یہ کاوشیں انگریزوں کی شر انگیزیوں کے سامنے عوامِ اہلِ سنّت کے لیے ایک قلعہ ثابت ہوئیں۔

جب عیسائی مشنری شکست سے دوچار ہوئی تو انہوں نے اپنے مقاصد کے لیے ایک اور نیا جال بنا۔ اب انہوں نے عیسائی مشنری کے ساتھ ہندوؤں کی سرپرستی کی کیوں کہ انہیں خوب معلوم تھا کہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے علاوہ یہاں کوئی اور وفادار نہیں۔ سوادِ اعظم اہلِ سنّت کو پہلے عیسائی پھر ہندو بنانے کے لیے انہوں نے ہندوؤں کی سرپرستی کی اور اس طرح بڑے زور و شور سے شدھی تحریک کا آغاز ہوا۔ علما و مشائخ نے شدھی تحریک کا علمی اور عملی طور پر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس طرح شدھی تحریک سنیوں کو ہندو بنانے میں ناکام ہوئی۔ اس طرح مسلمانانِ ہند اس سازش کے اثرات سے محفوظ رہے۔

انگریز سامراج کی، کئی دفعہ کی ناکامی کے بعد بھی، تعصب کی آگ ابھی تک بجھی نہیں کیوں کہ سنی آج بھی ان کے مقابلے میں متحد ہیں۔ عوام اہلِ سنّت میں انتشار و اختلاف کی راہیں مسدود دیکھ کر اس نے تیسری بار مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے عیسائی مشنری اور شدھی تحریک سے زیادہ خطرناک جال بنا؛ وہ جال یہ تھا کہ اس دور کے میر جعفر اور میر صادق جیسے افراد کی پزیرائی کی جائے اور انہیں وظائف دے کر سوادِ اعظم اہلِ سنّت کو تقسیم کرو اور حکومت کرو کے فارمولے پر کام کو تیز کیا جائے۔ کیوں کہ ہند میں فتوحات انتشار کے بغیر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہیں۔ سب سے پہلے انہیں یہ ہدف دیا جائے کہ حضورِ اکرم ﷺ سے جو ایمانی لگاؤ ہے اسے مسلمانانِ ہند کے قلوب سے نکالنے کا فریضہ سرانجام دیں۔ اس برطانوی سازش کی حقیقت شاعرِ مشرق علامہ اقبال یوں بیان کرتے ہیں۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

اس One Point ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ہر اس شخص اور فرقوں کی مدد کی جو ہند کے سنیوں کے قلوب سے روحِ محمد نکالنے کی ناپاک سازش میں ان کے ہم نوالہ تھے۔ ان شخصیات اور فرقوں کا کوئی نام ہو۔ مشہور فقہی قاعدہ ہے ''الامور بمقاصدھا'' ناموں کے مختلف ہونے کے باوجود انگریزوں اور ان کے مقاصد میں ایک مماثلت، ربط اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ ہے توحید کی آڑ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ مصطفےٰ کریم ﷺ کی تنقیص کر کے اہلِ سنّت کے قلوب سے عشقِ مصطفےٰ ﷺ کی حدّت اور شدّت کمزور کرنا۔ اس تناظر میں یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو گیا کہ انگریزوں کا خود کاشتہ فرقہ کونسا ہے، برطانوی راج نے کس فرقے کی سرپرستی کی اور اسے فروغ دیا۔ انہیں عشقِ مصطفےٰ ﷺ کی کسوٹی پر رگڑا جائے۔ اگر ان کی بدطینیت سے حیاتِ نبی ﷺ، اختیاراتِ نبی ﷺ معصومیتِ نبی ﷺ، نورِ نبی ﷺ، علمِ نبی ﷺ، زیارتِ روضۂ نبی ﷺ، حدیثِ نبی ﷺ اور ختمِ نبوت کے انکار کی چیخ و پکار سنی جائے سمجھ جاؤ کہ یہ شخص اور فرقہ مصطفےٰ کریم ﷺ کا غدار اور انگریز سامراج کا وفادار ہے۔

اس سلسلے میں برطانوی دورِ حکومت میں پہلا نمایاں نام امام الوہابیہ فی الھند شاہ اسماعیل دہلوی کا ملتا ہے، جنہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے بیک وقت انگریزوں کے دو مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی، جن میں پہلا مقصد سوادِ اعظم اہلِ سنّت میں اختلاف و انتشار پھیلا کر سوادِ اعظم اہلِ سنّت کی مجتمع قوت کو کمزور کرنا اور دوسرا مقصد عقیدۂ ختم نبوت کے انکار کا بیج بونا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے "مسئلۂ امکان نظیر" کو فروغ دیا کہ "اس شہنشاہ کی تو یہ شانِ ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی۔۔۔ اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے" (تقویۃ الایمان، ص ۴۲، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی) "امکانِ نظیر" کا مسئلہ اسلام کے مسلمہ عقیدۂ ختم نبوت کی نصوصِ قطعیہ کے خلاف تھا۔ علما و مشائخ نے اس انگریزی چربے کے بھیانک اثرات کو خوب بھانپ لیا، کیوں کہ "امکان نظیر" سے ناموسِ رسالت ﷺ اور عقیدۂ ختم نبوت پر ضرب لگتی تھی یہ کیسے ممکن تھا کہ اس نازک مسئلے پر غلامانِ رسول ﷺ خاموش رہ سکتے علمائے سوادِ اعظم اہلِ سنّت کے عقیدۂ توحید کی قوت سے لیس ہو کر بلا خوف و خطر میدانِ عمل میں کود پڑے اس مسئلے میں حضور ﷺ کے غلاموں کی قیادت جنگِ آزادی کے عظیم سپوت اور تحفظِ عقیدۂ ختم نبوت کے اولین سر خیل مولانا فضلِ حق چشتی حنفی خیر آبادی کر رہے تھے آپ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں مولانا اسماعیل دہلوی کے "مسئلۂ امکان نظیر" کے تعقب میں کئی کتب تصنیف فرمائیں، جن میں "امتناع نظیر" اس قدر مدلل اور تحقیقی تھی کہ واقعی آپ نے غلامیِ رسول ﷺ کا حق ادا کر دیا۔ بقول اعلیٰ حضرت کے۔

مٹ گئے، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

مولانا شاہ فضلِ رسول بدایونی نے المعتقد المنتقد تحریر فرمائی۔ اس کتاب پر مفکرِ اسلام احمد رضا محدث حنفی نے حاشیہ تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ دیگر مشاہیر سوادِ اعظم اہلِ سنّت مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین اور مولانا محمد موسیٰ بن شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ "مسئلۂ امکان نظیر" کی زبردست تردید کی۔

شاہ اسماعیل دہلوی کی وفات کے بعد ان کی زلف کے اسیروں نے بھی امکان نظیر کے مسئلے میں اپنا اپنا حصہ ڈال کر جہنم کا سامان اکھٹا کیا اس پس منظر میں شیخ پور ضلع بدایوں میں "مسئلۂ امتناع نظیر" اور "مسئلۂ امکانِ نظیر" پر ۱۸۷۱ء میں مولانا عبدالقادر بدایونی (م ۱۹۰۱) اور امیر احمد سہوانی کے درمیان ایک مناظرہ ہوا۔ اس میں اثر ابن عباس زیرِ بحث آئی۔ کچھ علما کے ساتھ ساتھ مولانا احسن نانوتوی بھی اثر ابن عباس کو صحیح اور معتبر جانتے تھے اور اس سے متعلق اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

"میرا عقیدہ یہ ہے کہ حدیثِ مذکور (اثر ابن عباس) صحیح اور معتبر ہے اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقے میں مخلوقِ الٰہی ہے۔ حدیثِ مذکور سے ہر طبقے میں انبیا کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگر چہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقاتِ باقیہ میں ثابت ہوتا ہے۔" (مولانا نقی علی خاں، حیات اور علمی و ادبی کارنامے، ص ۱۰۸، بحوالہ مجموعۃ الفتویٰ از عبدالحی فرنگی محلی، ص ۱۴۵)

اس عقیدے کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو اس کا براہِ راست اثر عقیدۂ ختم نبوت پر پڑتا ہے، جو منکرینِ ختم نبوت کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ علمائے اہلِ سنّت نے اس کے بھیانک اثرات کے طوفان کے سامنے بند باندھنے کی تحریک شروع کی۔ بریلی میں اس تحریک کی قیادت مولانا نقی علی خاں اور بدایوں میں مولانا عبدالقادر بدایونی کر رہے تھے۔ علمائے اہلِ سنّت نے مولانا نقی علی خاں کے موقف کی تائید فرمائی اور مولانا احسن نانوتوی کے عقیدے کے تناظر میں ایک استفتا مندرجہ ذیل علمائے رام پور کو بھیجا گیا، جنہوں نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا:

(۱) مولانا سید الدین خلف مولانا رشید الدین خان
(۲) مولانا مفتی ولی النبی رام پوری
(۳) مولانا سید حسین شاہ محدث رام پوری
(۴) مولانا محمد حیدر علی رام پوری

(۵) مولانا شیخ محمد علی درویش مطوف رام پوری
(۶) مولانا عبد الحق خیر آبادی بن علامہ فضلِ حق خیر آبادی
(۷) مولانا عبد العلی رام پوری
(۸) مولانا اظہر الدین احمد رام پوری

اسی کے ساتھ ساتھ مولانا نقی علی خاں نے یہ ہی استفتا مفتی ارشاد حسین مجددی فاروقی کو بھی ارسال فرمایا۔ آپ نے قرآن و حدیث اور فقہا کی طرف سے ثابت کیا کہ "اس پر عقیدہ رکھنا اہلِ سنّت کے خلاف ہے۔ خاتم النبیین حضور ﷺ ہیں اور حدیث شاذ ہے" دوسری طرف مولانا احسن نانوتوی نے بھی اپنے مذکورہ عقیدے کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ایک سوالیہ اشتہار علما کو بھیجا مگر دو کے جواب، جس میں سے ایک مولانا احسن نانوتوی کے رشتہ دار مولانا قاسم نانوتوی نے دیا اور اس کے دفاع میں تحزیر الناس تحریر کی۔

مولانا نقی علی خان کی تائید اور تحزیر الناس و مناظرۂ احمدیہ کے رد میں درجِ ذیل کتب و رسائل تحریر کیے گئے:

(۱) تحقیقاتِ احمدیہ حل اوھام نجدیہ (۱۳۸۹ھ / ۱۸۷۲ء)
مولانا فضل مجید بدایونی تلمیذ مولانا عبد القادر بدایونی

(۲) الکلام الاحسن (مولانا احسن نانوتوی کے رد میں مولانا ہدایت علی بریلوی کا رسالہ ہے۔)

(۳) تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال (۱۳۹۱ھ / ۱۸۷۴)
مفتی حافظ بخش آنولوی نے شائع کی اس میں مولانا نقی علی خاں کی حمایت اور مولوی احسن و امیر احمد سہوانی کی مذمت کی ہے۔

(۴) فتاویٰ بےنظیر در نفی آنحضرت بشیرونذیر
اس رسالے میں تمام علما کے فتوے یک جا شامل ہیں، جو اثر ابن عباس کے قائل نہ تھے اُن میں بدایوں اور بریلی کے علما خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(۵) قسطاس فی موازنہ اثر ابن عباس
مولانا شیخ محمد تھانوی کی اس موضوع پر قابلِ قدر کتاب ہے۔ اس میں مولانا نقی علی خاں کے موقف کی حمایت کی گئی ہے۔

اس طرح اثر ابن عباس کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا احسن نانوتوی منکر خاتم النبیین ٹھہرتے تھے، اس لیے فتوں کی رو سے مولانا احسن نانوتوی کی تکفیر مشہور ہو گئی۔ اس کے بعد مولانا احسن نانوتوی نے ایک اشتہار شائع کیا جس کے بارے میں یہ مشہور ہوا کہ مولانا نانوتوی نے توبہ کر لی ہے اور مولانا نقی علی خاں کا موقف درست قرار پایا۔ لیکن مولانا قاسم نانوتوی نے تحزیر الناس میں اپنی تحقیقات کو اس طرح پیش کیا جو قادنیت کے فروغ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

امتناعِ نظیر کے مسئلے میں مولانا فضلِ حق خیر آبادی، مولانا فضلِ رسول بدایونی، مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا نقی علی خاں اور دیگر علمائے اہلِ سنّت کی بازگشت کے زیرِ اثر آج بھی سوادِ اعظم اہلِ سنّت کا ہر پیر و جواں صبیح الدین رحمانی کے ساتھ یہ گن گنا رہا ہے۔

کوئی مثلِ مصطفےٰ کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
کسی وہم نے صدا دی کوئی آپ کا مماثل
تو یقیں پکار اٹھا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

ہند میں انکارِ ختمِ نبوت کا آغاز مولانا اسماعیل دہلوی کے "مسئلۂ امکانِ نظیر" سے ہوتا ہوا مولانا نانوتوی کی "تحزیر الناس" اور خصوصاً ان کی اس عبارت:

**"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں پڑے گا"** تک پہنچا تو انکارِ ختم نبوت کی راہ پوری طرح ہموار ہو چکی تھی اور "روحِ محمد ﷺ بدن سے نکال دو" کے تمام سامان مہیا کیے جا چکے تھے۔ اس طرح دونوں کے ملاپ سے قادیانیت وجود میں آئی ہے۔ اس پس منظر میں انگریزوں کے مقاصد کی تکمیل مرزا غلام احمد قادیانی کو آسان نظر آنے لگی۔ امکانِ نظیر اور تحزیری عقیدہ اس کی رگ رگ میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا۔ مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے پہلے پہل اس نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا پھر اس کی رگ پھڑکی تو اس نے مسیح و مہدی ہونے کا عندیا دیا امکانِ نظیر اور تحزیری عقیدے کا نتیجہ یوں ظاہر ہوا کہ آخری مرتبہ مرزا قادیانی کے خون نے پھر جوش مارا تو اپنے لیے نبی ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا، کیوں کہ اسے نظیری و تحزیری عقیدے کی پشت پناہی حاصل تھی۔

مرزا قادیانی اپنے انگریزی مشن کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے: "میری عمر کا اکثر حصّہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا۔ میں نے مخالفتِ جہاد اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھیں اشتہارات شایع کیے اگر وہ رسائل اور کتابیں اکھٹی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام عرب ممالک مصر، شام اور کابل تک پہنچایا۔"

وہابیوں کے مقتدا مولانا محمد حسین بٹالوی تلمیذ نذیر حسین دہلوی ۱۸۹۱ء تک مرزا قادیانی کے نظریات کی وکالت اور تاویلات کرتے رہے۔ اور میرزا کی اندھی تقلید میں انگریزوں کے خلاف عدم جہاد کا فتاوٰی صادر کرتے رہے، سوادِ اعظم اہلِ سنّت کو مشرک اور بدعتی قرار دینے کے علاوہ ان کا کوئی اور کارنامہ نہیں۔ اس عظیم خدمت کے طفیل انگریز حکومت نے انہیں "شمس العلما" کے سرکاری اعزاز سے نوزا۔ کیوں کہ انہوں نے جو خدمت انجام دی وہ عیسائی مشنری کو بھی شرما رہی تھی۔ حکومت ان سے اتنی خوش اور مطمئن تھی کہ بٹالوی کی خواہش کی تکمیل میں ان کے لیے "وہابی" کی بجائے "اہلِ حدیث" نام سرکاری سرپرستی میں منظور کیا، جسے سوادِ اعظم اہلِ سنّت نے مسترد کر دیا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ "ناموس رسالت" سے اپنے ہاتھوں کو خون آلود کرنے کے لیے دونوں ایک دوسرے کی ناز برداریاں اٹھا رہے تھے اور مرزا کی ناز برداریاں اٹھانے میں دونوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ہفت روزہ اکانومسٹ لندن لکھتا ہے:

"رسالت محمدی پر یقین و ایمان ہی مغربی تہذیب کے لیے واحد حریف اور سب سے بڑا خطرہ ہے اور یہی ایمان مسلمانوں کے لیے بے پناہ قوت کا سرچشمہ ہے۔"

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

شیخ الاسلام احمد رضا محدث حنفی نے نظیری، تحزیری، قادیانی اور انگریزوں کی فتنہ انگیز تحریکوں کا عمیق مطالعہ کیا، جس کا خاص ہدف مصطفٰے کریم ﷺ کی ذات اقدس تھی۔ آپ اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھے اگر شمع رسول ﷺ کی حدّت سوادِ اعظم اہلِ سنّت میں کم ہو گئی تو پورا عالمِ اسلام راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو کر اپنی اصلی حالت کھو بیٹھے گا۔ اس کی علمی، فکری، سیاسی، معاشی، سماجی، اکائی جو عشقِ رسول ﷺ کے زیرِ سایہ ارتقائی منازل بڑی تیزی سے طے کر رہی ہے مذکورہ سازشوں اور فتنوں کے نتیجے میں بکھر جائے گی اس لیے مفکرِ اسلام نے عظمتِ رسول ﷺ اور تحفّظِ ناموسِ رسالت کی پہرے داری اور پاسبانی کے لیے عقیدۂ توحید سے سرشار ہو کر تحفّظِ مقامِ مصطفٰے ﷺ وعقیدۂ ختمِ نبوت کا دفاع، حفاظتِ حدیث و اختیاراتِ مصطفٰے کی پاسبانی، عقیدۂ شفاعتِ رسول اور زیارتِ روضۂ رسول کی نگہبانی کا فریضہ سربکف ہو کر انجام دیا۔ چنانچہ عظمتِ رسول ﷺ پر جاں نثاری کو اپنی حیات کا اولین مقصد قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

مرزا قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کرکے غیرتِ مسلم کو للکارا تو آپ نے اس فتنے کی بھرپور سرکوبی کی قرآن وسنّت کی روشنی میں منکرینِ ختمِ نبّوت کو کافر اور مرتد قرار دیا دینی غیرت اور حمیت سے سرشار ہوکر کئی کتب تصنیف فرمائیں:

۱۔ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۹ء)
(دشمنِ خدا کے ختم نبوت سے انکار پر خدائی جزاء)

۲۔ السوء العقاب علی المسیح الکذاب (۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء)
(جھوٹے مسیح پر عذاب وعتاب)

۳۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین (۱۹۰۴ء)
(اہلِ حرم کی تلوار)

۴۔ خلاصہ فوائد فتاوٰی (۱۳۲۴ھ)

۵۔ قہر الدیان علی مرتد بقادیان (۱۳۲۳ھ)
(قادیانی مرتد پر خدائی تلوار)

۶۔ المبین خاتم النبیین (۱۳۲۶ھ)

اس کے علاوہ احکامِ شریعت، فتاوٰی رضویہ، الملفوظ اور حدائق بخشش میں جابہ جا عقیدۂ ختمِ نبوّت کا تحفّظ کیا گیا۔ آپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام حامد رضا خاں نے ۱۸۹۷ء میں مرزا قادیانی کے مثلِ مسیح کے رد میں "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" تحریر فرمائی۔ چھوٹے صاحبزادے مصطفیٰ رضا خاں نے "الموت الاحمر علی النجس الاکفر" تحریر فرمائی الغرض کہ اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے خاندانِ رضا کو چن لیا تھا۔

دیا ختم نبوت پہ رضا کے علم نے پہرہ
بنا جس کا قلم بھی ترجماں ختم نبوت کا
بنا کلکِ رضا ہر اُس کمینے کے لیے خنجر
ہے جس نے بھی کیا کوئی زیاں ختم نبوت کا

(آصف جلالی)

اس کے علاوہ علماءِ اہلِ سنّت کی کثیر تعداد نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ میں اپنا مثالی کردار ادا کیا، جس میں مفتی غلام دستگیر ہاشمی قصوری مولانا مفتی محمد ارشاد حسین رام پوری، مفتی عبد القادر بھیروی، مفتی غلام رسول نقشبندی، مولانا قاضی فضل احمد نقشبندی، مولانا حیدر اللہ درانی نقشبندی، مولانا محمد انوار اللہ چشتی حیدر آبادی، مولانا قاضی غلام ربانی چشتی، مولانا قاضی محی الدین غلام جیلانی چشتی، مفتی غلام مرتضیٰ، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین، مولانا مفتی محمد عبد الحفیظ حقانی اشرفی، مولانا محمد نظام الدین قادری ملتانی، مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا احمد بگوی، مولانا سید محمد حبیب شاہ، مولانا حکیم عبد الغنی نقشبندی، مولانا محمد عالم آسی امرتسری، مولانا امام الدین رائے پوری، مولانا غلام احمد امرتسری، مولانا محرم علی چشتی، علامہ محمد اقبال، مولانا وحید الزمان حیدر آبادی، مولانا سید محمد علی مونگیری، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا سیف الاسلام، بابو پیر بخش، مفتی رفاقت حسین کانپوری، پروفیسر محمد الیاس برنی، مولانا سید محمد عبد الجبار، حافظ مظہر الدین امدراسی نے تحریر وتصنیف کے ذریعہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفّظ میں کلیدی کردار ادا کیا۔

شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال سنی حنفی قادری کی غیرت وحمیت کو کب گوارہ تھا کہ کوئی ناموسِ رسالت اور ختم نبوّت پر انگشت نمائی کرے عقیدۂ ختم نبوّت کے تحفّظ میں، آپ نے نظیری، تحزیری اور مرزائی تابوت میں آخری کیل ٹھونکتے ہوئے ۱۹۰۲ء میں آنحضرت کے سوا

نبوت کے دیگر مفہومات کو اسلام کے ساتھ بغاوت قرار دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک

یعنی نبی کریم ﷺ کو ختم نبوت کے بعد نبوت کے دیگر مفہوم مثلی، طبقاتی، خفی، ظلی، امتی، غیر تشریعی، کفر و شرک اور زندیقی کے سوا کچھ نہیں۔

امتِ مسلمہ کے عقیدۂ ختم نبوت کے غیر متزلزل ایمان وایقان کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ اقبال یوں فرماتے ہیں۔

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ﷺ مارسالت ختم کرد
لانبی بعد ز احسانِ خدا است
پردہ ناموس دِین مصطفیٰ است
حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست
تابد اسلام را شیرازہ بست

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام پر جب بھی کوئی کڑا وقت آیا تو صوفیاے عظام نے خانقاہوں سے نکل کر رسمِ شبیری ادا کی۔ جب مرزا قادیانی نے اپنے نبی ہونے کا فتنہ کھڑا کیا تو صوفیاعظام نے بھی اس دجال کی سرکوبی میں تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی، پیر سید مہر علی شاہ چشتی گولڑوی، پیر جماعت علی شاہ نقشبندی، خواجہ محمد ضیاء الحق چشتی سیالوی، خواجہ قمر الدین چشتی سیالوی، پیر کرم شاہ چشتی الازہری، خواجہ اللہ بخش چشتی تونسوی، خواجہ غلام فرید چشتی، خواجہ حسن نظامی چشتی، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ، میاں شیر محمد شرق پوری، حضرت علی حسین چشتی اشرفی، پیر سید خادم حسین، پیر محمد شاہ ساھنیالوی، پیر ظہور شاہ، خواجہ محمد ابراہیم مجددی، پیر سید ولایت شاہ گجراتی، حضرت پیر سید غلام محی الدین چشتی گولڑوی، پیر سید محمد قاسم مشوری، پیر بھرچونڈی شریف، پیر زکوڑی شریف، پیر مانکی شریف، پیر سید منور حسین شاہ جماعتی، تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر سرفہرست تھے۔ ان صوفیاعظام کے شب وروز قادیانیت کے تعقب میں گزرے۔

خاندانِ رضا نے جہاں قادیانی تحریک میں ہرَ اوّل دستے کا کردار ادا کیا، وہیں اعلیٰ حضرت نے اپنے خلفا کی ایک ایسی ٹیم تیار کی جس نے پوری توانائی کے ساتھ ناموسِ رسالت اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفّظ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مولانا ہدایت رسول قادری (جدِّامجد صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری)، مولانا حشمت علی خاں، مولانا دیدار علی شاہ، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، محدثِ اعظم ہند، مولانا عبدالعلیم صدّیقی، مولانا ابوالنور بشیر، مولانا ابوالحسنات قادری، نے مرزا قادیانی کا ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

قادیانیت اسلام کے لیے تو خطرہ تھی ہی، لیکن قیامِ پاکستان کے بعد ان کا وجود پاکستان کے لیے خطرے کی گھنٹی تھا۔ اس خطرے سے نبرد آزما ہونے کے لیے خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا ابوالحسنات کی قیادت میں ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختم نبوت کا آغاز ہوا، جس میں اقلیتی فرقے کے لوگ بھی شامل تھے۔ اس تحریک کے ذریعے حکومتِ وقت سے مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو اعلیٰ سرکاری عہدوں سے ہٹایا جائے اور انہیں کافر قرار دیا جائے۔ عقیدۂ ختمِ نبوّت کا تحفظ حکومت کے نزدیک جرم تھا۔ چنانچہ قادیانیوں کے تحفظ میں مولانا عبدالستار خاں نیازی اور مولانا خلیل احمد قادری فرزندِ مولانا ابولحسنات قادری کو غلامیِ رسول کے جرم میں حکومتِ وقت نے سزائے موت سنائی۔ اس وقت مولانا ابوالحسنات قادری دیگر علمائے سوادِ اعظم اہلِ سنّت کے ساتھ جیل میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کررہے تھے، تو آپ نے فوراً سجدے میں سر رکھ کر فرمایا: "میرے اللہ! ناموس رسالت پر ایک خلیل تو کیا میرے ہزاروں فرزند بھی ہوں تو اسوۂ شبیری پر عمل کرتے ہوئے سب کو قربان کردوں" غلامانِ رسول کے طوفان کے سامنے حکومت بے بس ہوگئی اور آخر کار مولانا خلیل احمد قادری اور مجاہدِ ملّت مولانا عبدالستار خاں نیازی کو رہا کرنا پڑا۔

تحریکِ ختمِ نبوّت میں مولانا عبدالحامد بدایونی، غزالیِ زماں، علامہ سید احمد سعید کاظمی، محدثِ اعظم سردار احمد، مفتی محمد، مفتی احمد یار خاں

نعیمی، مولانا محمود احمد رضوی، مولانا غلام علی اوکاڑوی، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا محمد عمر اچھروی، مولانا ابو النصر منظور احمد ہاشمی، مولانا عبدالسلام باندوی، مفتی سید غلام محی الدین نعیمی، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، مفتی محمد حسین سکھروی، مفتی مظفر احمد دہلوی (برادر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد)، مولانا ابو داؤد صادق، مولانا سید سعادت علی قادری اور مفتی سید شجاعت علی قادری نے نمایاں کردار ادا کیا۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن کے بعد ایک مرتبہ پھر قادنیت کے خلاف مہم جوئی کا آغاز ہوا۔ جمیعت علمائے پاکستان، جماعت اہلِ سنّت پاکستان اور انجمن طلبا اسلام کے علاوہ صوفیائے عظام، شعرائے کرام نے تحفّظِ ختمِ نبوت کے لیے بھرپور کام کیا انجمن طلبا اسلام کے نوجوانوں آقا کریم کی حرمت کی پاسبانی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی اور انجمن کے کئی چمکتے دمکتے ستارے نے جامِ شہادت نوش کرکے قامت امر ہوگئے۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے تسلسل میں ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء میں مجلسِ تحفّظِ ختمِ نبوت قائم ہوئی۔ اس تحریک کے جنرل سیکریٹری خلیفۂ اعلیٰ حضرت کے بھتیجے علامہ محمود احمد رضوی تھے۔ (قومی اسمبلی میں سیاسی طور پر اس تحریک کی قیادت خلفائے اعلیٰ حضرت کے فرزندان علامہ شاہ احمد نورانی، علامہ عبد المصطفیٰ الازہری محمد علی رضوی اور مولانا محمد ذاکر (جھنگ) کر رہے تھے۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے ۲۸ فروری ۱۹۷۱ء کو یحیٰ خاں سے ملاقات میں قادیانی اور اسرائیلی گٹھ جوڑ سے آگاہ کیا) اس تحریک میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی مولانا اللہ وسایا الخطیب، مولانا محمد حسن علی میلسی، مولانا ابو داؤد صادق، علامہ سیّد احمد سعید کاظمی، علامہ نور اللہ نعیمی، مولانا مفتی غلام سرور قادری، مفتی ظفر علی نعمانی، مولانا ابرار احمد رحمانی، مولانا رجب علی نعیمی، پیر حمید الدین سیالوی، پیر قمر الدین سیالوی، مفتی غلام سرور قادری، مفتی محمد صدیق ہزاروی، مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مفتی غلام دستگیر افغانی، مفتی غلام محمد سیالوی، علامہ سیّد شاہ تراب الحق، علامہ جمیل احمد نعیمی، علا شبیر احمد ہاشمی، صوفی ایاز خاں نیازی، مولانا عبدالستار نیازی، علامہ عارف اللہ قادری، مولانا ارشد القادری، علامہ عطا محمد بندیالوی، علامہ خلیل احمد قادری( فرزندِ خلیفۂ اعلیٰ حضرت) مفتی منظور احمد فیضی، مفتی محمد عبداللہ، پروفیسر سید شاہ فرید الحق، ظہور الحسن بھوپالی، حافظ محمد تقی، حاجی محمد حنیف طیب نے نمایاں کردار ادا کیا۔

قومی اسمبلی میں خلفائے اعلیٰ حضرت کے فرزندان علامہ شاہ احمد نورانی، علامہ عبد المصطفیٰ الازہری علامہ محمد علی رضوی (حیدر آباد)، علامہ محمد ذاکر (جھنگ) نے قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لیے شب و روز انتھک محنت کی۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے ۲۸ فروری ۱۹۷۱ کو یحیٰ خان سے ایک ملاقات میں قادیانی اور اسرائیلی گٹھ جوڑ سے آگاہ کیا۔ ۱۵/ اپریل ۱۹۷۹ء میں اپنی پہلی تقریر میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ ۱۱ جون ۱۹۷۴ء کو سابق وزیرِ اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ جو شخص ختمِ نبوت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں اور قادیانیوں کا مسئلہ حل کرنے کا شرف ان شاء اللہ انہیں حاصل ہوگا اور یہی اعزاز انہیں خدا کے حضور سرخ رو کرے گا۔ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے قرار داد پیش کی۔

۵/ اگست سے ۱۴ اور ۲۴ سے ۲۴/ اگست تک کل گیارہ دِن مرزا ناصر احمد قادیانی پر ایوان کی اسپیشل کمیٹی کی کارروائی اسمبلی چیمبر میں ہوئی جس کے چیئر مین اسپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی خاں تھے۔ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی قرار داد پیش کی۔ ۵/ اگست سے ۱۰ اور ۲۰ سے ۲۴/ اگست تک قومی اسمبلی چیمبر خصوصی کمیٹی کے چیئر مین صاحبزادہ فاروق علی کی زیر صدارت قومی اسمبلی کے چیمبر میں مرزا ناصر احمد قادیانی کی موجودگی میں قادیانیت اور ۲۷ سے ۲۸/ اگست تک قادیانی لاہوری گروپ کے صدر الدین پر جرح مکمل ہوئی۔ ۵۔۶ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اٹارنی جنرل پاکستان یحیٰ خان نے دو روز تک ارکانِ قومی اسمبلی کے سامنے قادیانیوں کے اعترافات سے متعلق مفصل بیان دیا۔ ۷/ ستمبر کو قومی اسمبلی نے پاکستان کے غیور سوادِ اعظم اہلِ سنّت کے عقائد اور جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے قادیانیوں اور لاہوری گروپ کو غیر مسلم قرار دیا اور آئین پاکستان کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم کر کے شق نمبر ۳ میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا:

**" جو شخص حضرت محمد ﷺ جو آخری نبی ہیں، کے خاتم النبیین ﷺ ہونے پر قطعی اور غیر مشروط پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا**

**ہے وہ آئین یا قانون کے اغراض کے لیے مسلمان نہیں۔"**

عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے حوالے سے یہ ایک جامع اور مانع شق ہے۔ اس کے یہ جملے نہایت ہی وسیع المعنیٰ اور قابلِ غور ہیں:

**(الف) جو کسی بھی مفہوم میں نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔**

**(ب) جو کسی بھی قسم کے نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔**

**(ج) ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرے۔**

آئین پاکستان کی شق نے ان تمام فتنوں کا قلع قمع کر دیا جن کی سرکوبی کے لیے علامہ فضلِ حق خیر آبادی، علامہ فضلِ رسول بدایونی، علامہ احمد رضا خاں بریلوی، علامہ غلام دستگیر قصوری، پیر مہر علی شاہ چشتی گولڑوی اور پیر امداد اللہ مہاجر مکی نے جہاد کیا۔

- ❖ ۷ ستمبر اللہ کی رضا کا دن ہے۔
- ❖ ۷ ستمبر تحفظِ ختم نبوت کا دن
- ❖ ۷ ستمبر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی للکار کا دن
- ❖ ۷ ستمبر پیر مہر علی شاہ، پیر جماعت علی شاہ اور امداد اللہ مہاجر مکی کی آرزوؤں کا دن
- ❖ ۷ ستمبر شہدائے تحریکِ ختم نبوت کے ثمرات کا دن
- ❖ ۷ ستمبر شہدائے انجمن طلباءِ اسلام کی تمناؤں کا دن
- ❖ ۷ ستمبر امکانِ نظیر کی بربریت کے خاتمے کا دن
- ❖ ۷ ستمبر تحزیری فلسفۂ نبوّت کے نیست و نابود ہونے کا دن
- ❖ ۷ ستمبر مرزا قادیانی کے دعوائے نبوت کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکنے کا دن

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قادیانی آئینِ پاکستان، سپریم کورٹ آف پاکستان اور وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو قبول کرتے ہوئے اپنے باطل نظریات سے توبہ کرتے، لیکن انہوں نے اسلام اور پاکستان کے خلاف باغیانہ روش اختیار کی۔ پاکستان کو اندرونی اور بین الاقوامی طور پر غیر مستحکم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ پاکستان آج جس سنگین دور سے گزر رہا ہے اس میں قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۱۹۷۴ء کے بعد بھی قادیانیوں کے عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے پیر کرم شاہ الازہری، ڈاکٹر مفتی شجاعت علی قادری، محمد طاہر عبدالرزاق، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، پروفیسر محمد الیاس اعظمی، مولانا عنایت اللہ چشتی، علامہ ریاض حسین شاہ، علامہ فضلِ کریم، علامہ نور الحق قادری، علامہ افضل قادری، علامہ شاہ تراب الحق قادری، علامہ مظہر سعید کاظمی، پروفیسر عبدالرحمٰن بخاری، جسٹس (ر) نذیر احمد غازی، ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی، علامہ عبدالقیوم ہزاروی، مفتی ظفر علی نعمانی، علامہ اقبال احمد فاروقی، صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری، ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی، علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، مفتی محمد امین قادری عطاری، صلاح الدین سعیدی، ملک محبوب الرسول، محمد نعیم طاہر رضوی، علامہ جمیل احمد نعیمی، محمد عرفان قادری، محمد احمد حسن قادری، صاحبزادہ عزیز الرسول، ڈاکٹر آر۔ اے امتیاز، پروفیسر محمد حسین آسی، سردار محمد خاں لغاری، ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، علامہ غلام حسین کلیالوی، علامہ محمد طیب نقشبندی، میجر محمد افضل خاں، محمد صادق قصوری، علامہ محمد منشا تابش، صادق علی زاہد، علامہ محمد عمر حیات، ڈاکٹر وحید عشرت، خلیل احمد رانا، پروفیسر منور ملک، مفتی عطاء اللہ نعیمی، جمیل احمد نذیری، مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری علمی اور تحریکی طور پر سرگرم رہے۔

علماو مشائخ سوادِ اعظم اہلِ سنّت کی ایسی فقید المثال تحریک اور اتحاد کو دیکھنے کے لیے عصرِ حاضر کے نوجوانوں کی آنکھیں ترس رہی ہیں۔
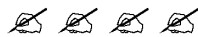
# ذاتِ وصفاتِ باری تعالیٰ (معرفتِ توحید)

ازافادات: مفکرِ اسلام امام احمد رضا　　ترتیب وتشریح: محمد خلیل خاں قادری برکاتی

امام اہلسنت امام احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ ''اعتقادالاحباب'' کی زیارت و مطالعہ سے یہ فقیر جب پہلی بار حال ہی میں شرف یاب ہوا تو معاً خیال آیا کہ بتوفیقہٖ تعالیٰ اسے نئی ترتیب اور اجمالی تفصیل کے ساتھ عامۃ الناس تک پہنچایا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے عوام بھی فیض پائیں۔ نصرتِ الٰہی کے بھروسے پر قدم اٹھایا اور بفیضانِ اساتذۂ کرام نہایت قلیل مدت میں اپنی مصروفیات کے باوجود کامیابی سے سرفراز ہوا۔ میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا، اس کا فیصلہ آپ کریں گے، اور میری کوتاہ فہمی وقصورِ علمی آپ کے خیالِ مبارک میں آئے تو اس سے اس ہیچ مدان کو مطلع فرمائیں گے۔ اور اس حقیقت کے اظہار میں یہ فقیر فخر محسوس کرتا ہے کہ اس رسالہ مبارکہ میں حاشیے بین السطور اور تشریح مطالب (جو اصل عبارت سے جدا، قوسین میں محدود ہے، اور اصل عبارت خط کشیدہ) جو کچھ پائیں گے وہ اکثر وبیشتر مقامات پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ ہی کے کتب ورسائل اور حضرت استاذی واستاذ العلماء صدرالشریعۃ مولانا امجد علی قادری برکاتی رضوی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ کتاب بہارِ شریعت سے ماخوذ وملتقط ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام اس فقیر کو اپنی دعائے خیر میں یاد فرماتے رہیں گے کہ سفر آخرت درپیش ہے اور یہ فقیر خالی ہاتھ، خالی دامن، بس ایک انہیں کا سہارا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ وہی بگڑی بنائیں گے۔ (محمد خلیل خاں قادری البرکاتی المارہروی)

---

حضرت حق سبحانہ و تبارک و تعالیٰ شانہ واحد ہے۔ (اپنی ربوبیت و الوہیت میں، کوئی اس کا شریک نہیں، وہ یکتا ہے اپنے افعال میں، مصنوعات کو تنہا اسی نے بنایا۔ وہ اکیلا ہے اپنی ذات میں، کوئی اس کا قسیم نہیں۔ یگانہ ہے اپنی صفات میں۔ کوئی اس کا شبیہ نہیں۔ ذات وصفات میں یکتا وواحد مگر)[1] نہ عدد سے (کہ شمار وگنتی میں آسکے اور کوئی اس کا ہم ثانی و جنس کہلاسکے تو اللہ کے ساتھ، اس کی ذات و صفات میں، شریک کا وجود، محض وہم انسانی کی ایک اختراع وایجاد ہے)

خالق ہے۔ (ہر شے کا، ذوات ہوں خواہ افعال، سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں) نہ علت سے (اس کے افعال نہ علت وسبب کے محتاج، نہ اس کے فعل کے لیے کوئی غرض، کہ غرض اس فائدہ کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رجوع کرے اور نہ اس کے افعال کے لیے غایت، کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے۔ فعال ہے (ہمیشہ جو چاہے کرلینے والا) نہ جوارح (وآلات) سے (جب کہ انسان اپنے ہر کام میں اپنے جوارح یعنی اعضائے بدن کا محتاج ہے۔ مثلاً علم کے لیے دل و دماغ کا۔ دیکھنے اور سننے کے لیے آنکھ، کان کا، لیکن خداوند قدوس کہ ہر پست سے پست آواز کو سنتا اور ہر باریک سے باریک کو کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو دیکھتا ہے، مگر کان، آنکھ سے اس کا سننا دیکھنا اور زبان سے کلام کرنا نہیں کہ یہ سب اجسام ہیں اور جسم و جسمانیت سے وہ پاک)۔

قریب ہے (اپنے کمالِ قدرت و علم ورحمت سے) نہ (کہ) مسافت سے (کہ اس کا قرب ماپ و پیمائش میں سما سکے)۔ ملک (وسلطان وشہنشاہِ زمین و آسمان) ہے مگر بے وزیر (جیسا کہ سلاطین دنیا کے وزیر باتدبیر ہوتے ہیں کہ اس کے امورِ سلطنت میں اس کا بوجھ اٹھاتے اور ہاتھ بٹاتے ہیں)۔ والی (ہے۔ مالک وحاکم علی الاطلاق ہے۔ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے مگر) بے مشیر (نہ کوئی اس کو مشورہ دینے والا۔ نہ وہ کسی کے مشورے کا محتاج، نہ کوئی اس کے ارادے سے اسے باز رکھنے والا۔ ولایت، ملکیت، مالکیت، حاکمیت، کے سارے اختیارات اسی کو حاصل، کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس ذاتِ پاک پر دسترس نہیں، ملک وحکومت کا حقیقی مالک کہ تمام موجودات اس کے تحتِ ملک وحکومت ہیں، اور اس کی مالکیت و سلطنت دائمی ہے جسے زوال نہیں) حیات وکلام وسمع وبصر وارادہ وقدرت وعلم (کہ اس کے صفات ذاتیہ ہیں اور ان کے علاوہ تکوین وتخلیق ورزاقیت یعنی مارنا، جِلانا، صحت دینا، بیمار کرنا، غنی کرنا، فقیر کرنا، ساری کائنات کی ترتیب فرمانا اور ہر چیز کو بتدریج اس کی فطرت کے مطابق کمالِ مقدار تک پہنچانا، انہیں ان کے مناسبِ احوال روزی رزق مہیا کرنا) وغیرہا (صفات جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور جنہیں صفاتِ اضافیہ اور صفاتِ فعلیہ بھی کہتے ہیں اور جنہیں صفات تخلیق وتکوین کی تفصیل سمجھنا چاہیے، اور صفاتِ سلبیہ یعنی وہ صفات جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ اور مبرّا ہے، مثلاً وہ

جاہل نہیں عاجز نہیں، بے اختیار و بے بس نہیں، کسی کے ساتھ متحد نہیں جیسا کہ برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتا ہے۔ غرض وہ اپنی صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ اضافیہ اور صفات سلبیہ) تمام صفات کمال سے ازلاً ابداً موصوف (ہے، اور جس طرح اس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے اس کی تمام صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں، اور ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے سواسب چیزیں حادث ونوپید، یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں، صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے گمراہ بے دین ہے۔ اس کی ذات وصفات) تمام شیون (تمام نقائص تمام کوتاہیوں سے) وشین و عیب (ہر قسم کے نقص ونقصان) سے اوّلاً و آخراً بری (کہ جب وہ مجتمع ہے تمام صفات کمال کا جامع ہے ہر کمال وخوبی کا، تو کسی عیب کسی نقص، کسی کوتاہی کا اس میں ہونا محال، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو نہ نقصان وہ بھی اس کے لیے محال)

ذاتِ پاک اس کی نِدّوضد (نظیر ومقابل) شبیہ ومثل (مشابہ و مماثل) کیف وکم (کیفیت ومقدار) شکل وجسم وجہت ومکان و امد (غایت وانتہا اور) زمان سے منزّہ (جب عقیدہ یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ قدیم ازلی ابدی ہے اور اس کی تمام صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ان تمام چیزوں سے جو حادث ہیں یا جن میں مکانیت ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری طرف نقل وحرکت، یا ان میں کسی قسم کا تغیر پایا جانا، یا اس کے اوصاف کا متغیر ہونا، یا اس کے اوصاف کا مخلوق کے اوصاف کے مانند ہونا، یہ تمام امور اس کے لیے محال ہیں، یا یوں کہیے کہ ذاتِ باری تعالیٰ ان تمام حوادث وحوائج سے پاک ہے جو خاصہ بشریت ہیں) نہ والد ہے نہ مولود (نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا، کیونکہ کوئی اس کا مجالس وہم جنس نہیں، اور چونکہ وہ قدیم ہے اور پیدا ہونا حادث ومخلوق کی شان) نہ کوئی شے اس کے جوڑ کی (یعنی کوئی اس کا ہمتا، کوئی اس کا عدیل نہیں۔ مثل ونظیر وشبیہ سے پاک ہے اور اپنی ربوبیت والوہیت میں صفاتِ عظمت وکمال کے ساتھ موصوف)

اور جس طرح ذاتِ کریم اس کی، مناسبتِ ذوات سے مبّرا اسی طرح صفاتِ کمالیہ اس کی، مشابہت صفات سے معرّا (اس کا ہر کمال عظیم اور ہر صفت عالی، کوئی مخلوق کیسی ہی اشرف و اعلیٰ ہو اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ میں نہیں ہو سکتی)

مسلمان پر لا الہ الاّ اللہ ماننا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو احد، صمد، لاشریک لہ جاننا فرض اول و مدار ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں کہ لا الٰہ الا اللہ (اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں) نہ صفات میں کہ لیس کمثلہ شیئ۔[2] اس جیسا کوئی نہیں، نہ اسماء میں کہ ھل تعلم لہ سمیّا۔[3] کیا اس کے نام کا دوسرا جانتے ہو؟ نہ احکام میں کہ ولا یشرك فی حکمہ احدا۔[4] اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا، نہ افعال میں کہ ھل من خالق غیر اللہ۔[5] کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے، نہ سلطنت میں کہ ولم یکن لہ شریك فی الملك۔[6] اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں، تو جس طرح اس کی ذات اور ذاتوں کے مشابہ نہیں یونہی اس کی صفات بھی صفاتِ مخلوق کے مماثل نہیں۔

اور یہ جو ایک ہی نام کا اطلاق اس پر اور اس کی کسی مخلوق پر دیکھا جاتا ہے جیسے علیم، حکیم، کریم، سمیع، بصیر اور ان جیسے اور، تو یہ محض لفظی موافقت ہے نہ کہ معنوی شرکت، اس میں حقیقی معنیٰ میں کوئی مشابہت نہیں ولہٰذا مثلاً) اوروں کے علم وقدرت کو اس کے علم وقدرت سے (محض لفظی یعنی) فقط ع، ل، م، ق، د، ر، ت میں مشابہت ہے۔ (نہ کہ شرکت معنوی) اس (صوری ولفظی موافقت) سے آگے (قدم بڑھے تو) اس کی تعالیٰ وتکبّر (برتری وکبریائی) کا سرا پردہ کسی کو بار نہیں دیتا۔ (اور کوئی اس شاہی بارگاہ کے ارد گرد بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پرندہ وہاں پر نہیں مار سکتا کوئی اس میں دخل انداز نہیں) تمام عزتیں اس کے حضور پست (فرشتے ہوں یا جِن یا انسان یا اور کوئی مخلوق، کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں، سب اس کے فضل کے محتاج ہیں، اور زبانِ حال وقال سے اپنی پستیوں، اپنی احتیاجوں کے معترف اور اس کے حضور سائل، اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے ہوئے، اور ساری مخلوقات چاہے، وہ زمینی ہوں یا آسمانی اپنی اپنی حاجتیں اور مرادیں اسی حق تعالیٰ سے طلب کرتی ہیں) اور سب ہستیاں اس کے آگے نیست (نہ کوئی ہستی ہستی، نہ کوئی وجود وجود)

کل شیئ ھالك الاّ وجھہ۔[7] (بقا صرف اس کی وجہِ کریم کے لیے ہے باقی سب کے لیے فنا، باقی باقی، باقی فانی)

وجود واحد (اسی حیّ وقیوم ازلی ابدی کا) موجود واحد (وہی ایک حی و قیوم ازلی ابدی) باقی سب اعتبارات ہیں (اعتبار کیجیے تو موجود ورنہ محض معدوم) ذراتِ اکوان (یعنی موجودات کے ذرہ ذرہ) کو اس کی

ذات سے ایک نسبت مجہولۃ الکیف ہے۔(نامعلوم الکیفیت) جس کے لحاظ سے من وتو (ماوشماوایں وآں) کو موجود وکائن کہا جاتا (اور ہست و بود سے تعبیر کیا جاتا) ہے۔ (اگر اس نسبت کا قدم درمیان سے اٹھالیں۔ ہست، نیست اور بود، نابود ہو جائے، کسی ذرہ موجود کا وجود نہ رہے کہ اس پر ہستی کا اطلاق) رواہو۔) اور اس کے آفتاب وجود کا ایک پرتو (ایک ظل، ایک عکس، ایک شعاع ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ نگاہِ ظاہر میں جلوہ آرائیاں کر رہا ہے۔ (اور اس تماشا گاہِ عالم کے ذرہ ذرہ سے اس کی قدرتِ کاملہ کے جلوے ہویدا ہیں) اگر اس نسبت وپرتو سے (کہ ہر ذرۂ کون ومکان کو اس آفتاب وجود حقیقی سے حاصل ہے) قطع نظر کی جائے (اور ایک لحظہ کو اس سے نگاہ ہٹالی جائے) تو عالم ایک خوابِ پریشان کا نام رہ جائے، ہو کا میدان عدمِ بحت کی طرح سنسان (محض معدوم ویکسر ویران، تو مرتبہ وجود میں صرف ایک ذاتِ حق ہے باقی سب اسی کے پرتو وجود سے موجود ہیں، مرتبہ کون میں نور ابدی آفتاب ہے، اور تمام عالم اس کے آئینے اس نسبتِ فیضان کا قدم، درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعۃً فنائے محض ہو جائے کہ اسی نور کے متعدد پرتووں نے بے شمار نام پائے ہیں، ذات باری تعالیٰ واحد حقیقی ہے، تغیر واختلاف کو اصلاً اس کے سراپردہ عزت کے گرد بار نہیں۔ پر مظاہر کے تعدد سے یہ مختلف صورتیں، بے شمار نام، بے حساب آثار پیدا ہیں، نورِ احدیت کی تابش غیر محدود ہے اور چشم جسم وچشم عقل دونوں وہاں نابینا ہیں، اور اس سے زیادہ بیان سے باہر، عقل سے وراء ہے۔)

موجود واحد ہے نہ وہ واحد جو چند (ابعاض واجزاء) سے مل کر مرکب ہوا (اور شے واحد کا نام اس پر رواٹھہرا) نہ وہ واحد جو چند کی طرف تحلیل پائے (جیسا کہ انسانِ واحد یا شَے واحد کہ گوشت پوست و خون واستخوان وغیرہا اجزاوابعاض سے ترکیب پاکر مرکب ہوا اور ایک کہلایا اور اس کی تحلیل وتجزی اور تجزیہ، انہیں اعضا واجزاوابعاض کی طرف ہوگا جن سے اس نے ترکیب پائی اور مرکب کہلایا کہ یہی جسم کی شان ہے، اور ذاتِ باری تعالیٰ عزشانہ جسم وجسمانیات سے پاک ومنزہ ہے۔) نہ وہ واحد جو بہ تہمت حلول عینیّت (کہ اس کی ذات قدسی صفات پر یہ تہمت لگائی جائے کہ وہ کسی چیز میں حلول کیے ہوئے یا اس میں سمائی ہوئی ہے یا کوئی چیز اس کی ذاتِ احدیت میں حلول کیے ہوئے اور اس میں پیوست ہے اور یوں معاذ اللہ وہ) اوجِ وحدت (وحدانیت ویکتائی کی رفعتوں) سے حضیض اثنینیت (دوئی اور اشتراک کی پستیوں) میں اتر آئے۔ ھوولاموجود الا ھو آیۃ کریمہ سبحانہ وتعالیٰ عمّا یشرکون۔[8] (پاکی اور برتری ہے اسے ان شریکوں سے) جس طرح شرک فی الالوہیت کو رَد کرتی ہے۔ (اور بتاتی ہے کہ خداوند قدوس کی خدائی اور اس معبود برحق کی الوہیت وربوبیت میں کوئی شریک نہیں۔ھوالذی فی السماء الٰہ فی الارض الٰہ۔[9] وہی آسمان والوں کا خدا اور وہی زمین والوں کا خدا، تو نفسِ الوہیت وربوبیت میں کوئی اس کا شریک کیا ہوتا، اس کی صفاتِ کمال میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔لیس کمثلہ شیئ۔[10] اس جیسا کوئی نہیں)

یونہی (یہ آیۃ کریمہ) اشتراک فی الوجود کی نفی فرماتی ہے (تو اس کی ذات بھی منزّہ اور اس کی تمام صفات کمال بھی مبرا ان تمام نالائق امور سے جو اہلِ شرک وجاہلیت اس کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ وجود اسی ذات برحق کے لیے ہے، باقی سب ظلال وپرتو ع

غیرتش غیر درجہاں نہ گزاشت
لا جرم عین جملہ معنی شد

(اور وحدت الوجود کے جتنے معنیٰ اور جس قدر مفاہیم عقل میں آسکتے ہیں وہ یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب اسی کے مظاہر اور آئینے کہ اپنی حدِ ذات میں اصلاً وجود وہستی سے بہرہ نہیں رکھتے، اور حاش ثم حاش یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ من وتو، ماوشما، این وآں، ہر شَے خدا ہے، یہ اہلِ اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے۔ اور پہلی بات مذہب ہے اہلِ توحید کا، کہ اہلِ اسلام وہ صاحبِ ایمان حقیقی ہیں۔)

## حواشی

۱۔ حاشیے بین السطور اور تشریح مطالب (جو اصل عبارت سے جدا، قوسین میں محدود ہے، اور اصل عبارت خط کشیدہ) جو کچھ پائیں گے وہ اکثر وبیشتر مقامات پر اعلی حضرت قدس سرہ ہی کے کتب ورسائل اور حضرت استاذی واستاذ العلماء صدر الشریعۃ مولانا امجد علی قادری برکاتی رضوی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ کتاب بہارِ شریعت سے ماخوذ وملتقط ہے۔

۲۔ القرآن الکریم ۴۲/ ۱۱
۳۔ القرآن الکریم ۱۹/ ۶۵
۴۔ القرآن الکریم ۱۸/ ۲۶
۵۔ القرآن الکریم ۳۵/ ۳
۶۔ القرآن الکریم ۲۵/ ۲
۷۔ القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸
۸۔ القرآن الکریم ۳۰/ ۴۰
۹۔ القرآن الکریم ۴۳/ ۸۴
۱۰۔ القرآن الکریم ۴۲/ ۱۱

[ماخوذ: فتاوٰی رضویہ (مع ترجمہ وتخریج)، جلد ۲۹، ص ۳۳۹ تا ۳۴۵]

# تحقیقی مقالہ نویسی کا فن اور امام احمد رضا محدث حنفی

**پروفیسر دلاور خاں**

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی کوشش ہوتی ہے کہ رضویات کے حوالے سے جدید موضوعات پر تحقیقی مقالات معارف رضا کی زینت بنیں۔ تحقیقی مقالہ لکھنا مقالہ نگاری کے اصولوں کی پابندی پر منحصر ہے۔ ادارے نے "مقالہ نگاری کے راہنما اُصول" مستقل طور پر معارف رضا کے اندرون بیک کور پر شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے تاکہ تحقیقی مقالہ نویسی کے شعور کو اُجاگر کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ ہر شمارے میں اندرونِ سرورق پر "دعوت برائے مقالہ نگاری" کے عنوان کے تحت نت نئے موضوعات قائم کرکے محققین، اساتذہ و طلبا کو مقالہ نویسی کی ترغیب دی جاتی ہے نیز "رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ" کے تحت منتخب عنوانات پر مجوزہ آؤٹ لائن تحقیقی مقالات لکھنے کے خواہشمند افراد کی حوصلہ افزائی کے لئے ہر ماہ شائع ہوتی ہے۔ ادارے کی یہ تمام کوششیں ہر دلعزیز پروفیسر دلاور خاں نوری (مدیر معاون و جوائنٹ سیکریٹری ادارہ ہٰذا) کی محنت کا ثمر ہیں۔ پیش نظر مقالے میں آپ نے امام احمد رضا کی تحریروں کا تجزیہ مقالہ نویسی کے اصولوں کے عنوانات کے تحت پیش کیا ہے۔ اس سے جہاں امام احمد رضا کی تحقیق کے جدید اصولوں پر مہارت کا نظارہ ہوتا ہے وہیں مقالہ نویسی کے خواہشمندوں کے لئے عمدہ تجاویز و نظائر بھی سامنے آئے ہیں۔ (عبید)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں تلاشِ حق کا مادّہ رکھا ہے اور جستجو کی بنیادی صلاحیت سے نوازا۔ چنانچہ وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ہو اپنی عقل کے استعمال سے اشیاء کی حقیقت و ماہیت کی دریافت میں کوشاں رہتا ہے۔ اسی وصف کے تحت ابتدائے آفرینش سے انسان نے اپنے ماحول کو سمجھنے اور اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے تحقیق کی طرف توجہ دی۔ ابتدا میں اس کا طریقۂ کار اتنا ہی خام اور غیر واضح تھا جتنا اس کا اندازِ حیات، لیکن پھر "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ" فرمانے والے علیم و خبیر نے اسے اپنے طرزِ حیات کو سنوارنا سکھایا اور انسان نے اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ جذبۂ جستجو اور شوق سے اپنے ماحول کی تفہیم شروع کی، جس کے نتیجے میں وہ اپنے روز مرّہ زندگی کے مسائل حل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کا معیارِ زندگی اس منزل پر پہنچا جہاں ایسی لاتعداد قوتیں اس کے زیرِ تصرف ہیں، جن سے وہ ابتدا میں خوف زدہ رہتا تھا۔

انسان کے ماحول میں یہ تبدیلی، اس کی جستجو اور مسلسل تحقیق کا بیش بہا ثمر ہے۔ خالقِ کائنات نے اسے قرآنِ حکیم میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اس غور و فکر سے انسان نے مسائل کے لاتعداد مہیب پہاڑ سر کیے۔ مولانا احمد رضا خاں نے قرآنِ حکیم کے اسی فلسفۂ جستجو و تحقیق کو اپنا مقصدِ اولین قرار دیا اور شب و روز عالمِ اسلام کے معاشرتی، سماجی، سیاسی، سائنسی، معاشی، ادبی، فکری مسائل پر تحقیق کرکے آپ نے تحقیقی انداز میں بیش بہا مقالہ جات تحریر فرما کر امتِ مسلمہ کو مسائل کی دلدل سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش فرمائی۔ آپ محقق علی الاطلاق کے منصب پر فائز تھے۔ آپ نے تحقیق کے مقاصد، محقق کے اوصاف، تحقیق کی تعریف، مفروضہ، طریقۂ تحقیق، اقسامِ تحقیق، آلاتِ تحقیق، تعلیقات، حوالہ جات، متن کا داخلی تجزیہ، متن کا خارجی تجزیہ، حوالہ جات کا اسلوبِ تحریر، اصطلاحات تحقیق جیسے لوازماتِ تحقیق پر گراں قدر نگارشات چھوڑی ہیں، جن کا ہر پہلو ایک وسیع مقالے کا متقاضی ہے۔

تحقیقی مقالے کے لیے اس کے اسلوبِ تحریر کا معیاری ہونا لازمی ہے۔ مقالہ نگاری ایک تحقیقی، علمی، معروضی اور سائنٹفک عمل ہے، جس میں ادیبانہ شوخی اور نہ خطیبانہ جوش و خروش پایا جاتا ہے؛ بلکہ سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے علمی حقائق کی وضاحت کی جاتی ہے۔ الشیخ احمد رضا خان محدثِ حنفی کو تحقیقی فنِّ مقالہ نگاری پر کامل دسترس حاصل تھی۔ وہ موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے اسے مختلف انداز میں خوب برتنا جانتے ہیں، جس کا منہ بولتا ثبوت آپ کے سیکڑوں علمی و تحقیقی مقالات (رسائل) ہیں۔ آپ کے تحقیقی مقالہ نویسی کے اسلوب کی چند خصوصیات ملاحظہ ہوں۔

### فکری عنوان

آپ مقالے کا عنوان نہایت ہی فکری انداز کے ساتھ مرقوم فرماتے ہیں۔ عنوان پڑھ کر ہی قاری کو موضوعِ تحقیق کا نہ صرف اندازہ ہوتا ہے؛ بلکہ عنوان اس انداز سے تحریر فرماتے ہیں، جس میں مقالے کی

تاریخ تحریر بھی رقم ہوتی ہے، جس سے قاری پر اس کے مقام، حالات اور تاریخ کا پس منظر واضح ہو جاتا ہے کہ کن حالات کے تناظر میں یہ مقالہ تحریر کیا گیا ہے۔ مثلاً "اظہار الحق الجلی (۱۳۲۰ھ)" "انوار البشارۃ فی مسائل الحج و الزیارۃ" (۱۳۲۹ھ)، "انوار المنان فی توحید القرآن" (۱۳۳۰ھ)۔

### موثر آغاز

جب آپ کسی مقالے کو قلم بند کرتے ہیں تو اس سے مستفید ہونے والے قاری کی ذہنی سطح، دل چسپی، ضرورت اور نفسیاتی تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر آغاز و اختتام موثر اور علمی انداز سے مذکور موضوع اور مخصوص علم و فن کے ماہرین کے استفادہ کے لیے کرتے ہیں۔ آغاز ہی میں آپ حمد و ثنا اور درود و سلام کے صیغوں میں متعلّقہ علوم کی کتب اور فنّی اصطلاحات کا استعمال جس خوبصورت انداز میں نظم و ضبط کے ساتھ کرتے ہیں، قاری اور علم کے متلاشیوں پر زیرِ تحقیق مسئلے پر آپ کی مہارت اور فوقیت کا تاثر واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ اس خاصیت کی بنا پر وہ بالا ستیعاب آپ کی ثقہ تحقیقات سے استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، ملاحظہ ہو فتاوٰی رضویہ کی پہلی جلد کا خطبہ و دیگر مقالات کے خطبات۔

### طویل تمہید سے گریز

آپ مقالے کی تحریر کا آغاز براہِ راست اپنے موضوع سے کرتے ہیں اور طویل تمہید اور تبصروں سے گریز کرتے ہیں، کیوں کہ اس سے فضول میں مقالے کی ضخامت بڑھ جاتی ہے، جو ایک معیاری مقالے کو گہنا دیتی ہے۔ اس لیے براہِ راست موضوع سے مقالہ نگاری شروع کرنا آپ کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

### ثقیل زبان

معیاری مقالہ نگاری میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی کی گنجائش نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے زبان کی سادگی میں سپاٹ پن آجاتا ہے اور وہ ثقیل بن جاتی ہے۔ یہ اسلوب کسی مخصوص علم و فن کے تمام حقائق و وسائل بیان کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ بطورِ مثال شیخ الاسلام احمد رضا حنفی محدثِ بریلوی کا ایک اقتباس آپ کے مقالے "الصمصام" سے ملاحظہ ہو:

"اور عجائب صنع الٰہی جلّ حکمہ سے بھی متحمل کہ کچھ ایسی تدابیر القا فرمائی ہوں کہ جن سے جنین مشاہدہ ہی ہو جاتا۔ ہو مثلاً بذریعہ قوا سر پانچوں حجابوں میں بقدرِ حاجت کچھ توسیع و تفریج دے کر روشنی پہنچا کر شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باہم قادیۂ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں زجاجات متخالفہ الملا میں ایسی وضعیں پائیں کہ اشعہ بصریہ کو حسبِ قاعدۂ معروضہ وعلمِ مناظر، النعطاف دیتے جنین تک جائیں۔"

(الف) مذکورہ اقتباس میں الٹرا ساؤنڈ سے متعلق حقائق مبالغہ اور رنگ آمیزی کے بغیر بیان کیے گئے۔

(ب) اس سادگی میں ایک سپاٹ پن ہے۔

(ج) الٹرا ساؤنڈ کے ماہرین کے لیے سمجھنا دل چسپ اور آسان ہے۔

(د) جبکہ عام قاری اس ثقیل زبان کو تسلسل سے پڑھ نہیں سکتا اور اکتا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی خصوصیت آپ کے معیاری مقالہ نگاری کا حسن ہے۔

### ابہام سے پاک

آپ نے الٹرا ساؤنڈ سے متعلق علمی نتائج ٹھوس دلائل اور حقائق سے اَخذ کیے ہیں اور ان کی تفصیل کے لیے ایسی اصطلاحات استعمال کی ہیں، جو الٹرا ساؤنڈ اور علم المناظر کے لیے غیر مبہم اور ابہام سے پاک ہیں۔

### جامعیت

آپ مقالہ نگاری میں جامعیت اور اختصار سے کام لیتے ہیں، لیکن اس اختصار میں جملے مختصر، پر مغز اور زائد الفاظ سے گریز کرتے ہوئے اپنا مافی الضمیر احسن طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ آپ کی اس خصوصیت کا ایک اقتباس آپ کے رسالہ "منیر العین" سے ملاحظہ ہو:

"سب سے اعلیٰ، صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور اوسط میں بہت اقسام حدیث ہیں اور درجہ بدرجہ مرتبہ صحیح کے بعد حسن لِذاتہ بلکہ حسن لغیرہ پھر حسن لذاتہ حسن لغیرہ پھر ضعیف یضعیف قریب اس حد تک کہ صلاحیت اعتبار باقی رکھے، جیسے اختلاط راوی یا سوئے حفظ یا تدلیس وغیرہ اول تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے اور وہ سب صحیح بہا ہیں اور آخری کی قسم صالح بہ متابعت و شواہد میں کام آتی ہے اور ہابر قوت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اس وقت صلاحیت مقبول تنہا کافی ہے۔"

(۱) کم سے کم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

(۲) زیادہ وسیع مفہوم کا احاطہ کیا گیا ہے۔

(۳) جملے پر مغز اور مربوط ہیں۔

(۴) غیر ضروری الفاظ سے حجم بڑھانے سے گریز کیا گیا ہے۔
(۵) دلائل وبرہان کا تاثر ابھر تا ہے۔

تحقیقی مقالہ نگاری کی یہ خصوصیت آپ کے رسائل اور کتب میں نمایاں نظر آتی ہے، جہاں حجم بڑھانے کی کوشش کے بجائے معیاری تحقیق کے فن کو ترجیح دی گئی ہے؛ اس لیے آپ کا ایک مختصر رسالہ بھی کئی ضخیم کتابوں پر فوقیت رکھتا ہے، جو کمیت کی بجائے خاصیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے بر عکس بعض خود ساختہ محققین بڑی خوبصورتی سے غیر متعلقہ اقتباسات ، غیر ضروری معلومات، بڑے بڑے حروف اور کمپوزنگ کے ذریعے مقالے کے حجم میں مصنوعی ہوا بھر کر اس کی ضخامت کو بڑھانے کی منفی سوچ کا شکار ہوتے ہیں، بلکہ افکارِ رضا کی روشنی میں سچی بات یہ ہے کہ مقالے کی خوبی کا تعلّق زیادہ حجم سے نہیں، بلکہ ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا مقالہ بالکل ناکام اور چند سو صفحات پر مشتمل مقالہ نہایت وقیع ہو سکتا ہے۔ ولیم سٹرنک لکھتا ہے: ”جاندار تحریر میں جامعیت ہوتی ہے۔ ایک جملے میں غیر ضروری الفاظ نہیں ہونے چاہییں۔ کسی پیراگراف میں فالتو جملہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح ایک مشین میں فالتو پرزہ نہیں چل سکتا اور کسی تصویر میں فالتو لکیریں بھدی لگتی ہیں، تحریر میں فالتو الفاظ یا فقرے تحریر کو خراب کرتے ہیں۔

### حقائق کا بیان

آپ حقائق بیان کرتے وقت صرف مقصد اور حقیقت نگاری پر زور دیتے ہیں اس حقیقت نگاری کی وجہ عام اور کم علم قاری کو زبان بوجھل اور ثقیل معلوم ہوتی، جبکہ حقائق کی جان کاری کرنے والے اہلِ علم وفن کے لیے حقائق کا ایک سمندر ہے۔ آپ کی مقالہ نگاری کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

”وہ پانی جس سے وضو جائز ہے اس کی ایک سو ساٹھ اقسام، وہ پانی جس سے وضو جائز نہیں اس کی ایک سو چھیالیس اقسام ، پانی کے استعمال سے عجز کی ایک سو پچھتر صورتیں۔ تیمم کس طرح اور کس چیز سے جائز ہے اس کی ایک سو بیاسی اقسام، منصوصات چوہتر، مزیدات ایک سو سات، وہ جس سے تیمم جائز نہیں اس کی ایک سو تین اقسام ہیں۔ ستاون (۵۷) منصوصات اور بہتر (۷۲) زیادات۔“ (سالنامہ معارفِ رضا ۱۹۹۳ء، ص ۹۸ )

### فنّی اصطلاحات

اصطلاح کے لغوی معنیٰ باہم متفق ہونا ہیں۔ یہ ایک ایسا لفظ یا مجموعۂ الفاظ ہے، جس میں کسی تصوّر، شے، کیفیت کی صحیح نوعیت اور ماہیت کو جامع اور مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ ہر علمی وفنّی اصطلاح سے ہر شخص کا واسطہ نہیں ہوتا۔ کسی بھی علم وفن کی اصطلاح کسی بھی زبان میں آسان نہیں ہوتی ان کو یاد کرنے اور بر موقع استعمال کے لیے نہایت علمی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے، کیوں کہ یہ اعلیٰ علمی سطح پر تحقیقی مضامین کی زبان سے متعلق ہوتی ہیں۔

مفکرِ اسلام جس مخصوص علم سے متعلق مقالہ لکھتے ہیں اس علم وفن کی مشکل، دقیق اور غیر مانوس اصطلاحات کو اس روانی اور کثرت سے استعمال کرتے ہیں کہ ایسا گمان ہوتا کہ گویا وہ آپ کی مادری زبان ہے، جس سے اس علم وفن پر آپ کی علمی وتحقیقی گرفت کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اس لیے آپ کی مقالہ نگاری میں خصوصیت کے ساتھ اصطلاحاتِ علمی کا کثرت سے استعمال جابہ جا نظر آتا ہے۔ اس خصوصیت سے متعلّق آپ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

”جب دو چیزوں میں عقل ونقل ملازمت ثابت کرے تو بحکم قضیہ لزوم بعد ثبوت ملزوم، تحقق لازم خود محقق ومعلوم، مجسم دلیل کی حاجت معدوم اسی طرح بعد انتفائے لازم العدام ملزوم آپ ہی مفہوم کماھو غیر خاف ولا مکتوم ادراکی ملازمت واقعہ کے باعث مرتبہ ادراک میں بعد علم باللزوم، تحقق ملزوم وعدم لازم کا شک ووہم وظن وتکذیب میں تابع رہتا ہے، جیسے وجود ملزوم پر تیقن کامل ہو گا اور اس کے نزدیک ثبوت لازم لازمی بھی قطعی یقینی ہو گا ظان وشاک وواہم کے نزدیک مظنون ومشکوک وموسوم ہو گا اور یہ معنٰی بدیہات باہرہ ہیں۔“ (فتاوٰی رضویہ، ص نمبر ۷۳۹، ج ۳۰)

آپ مقالہ نگاری میں فنّی اصطلاحات کے استعمال پر خوب توجہ دیتے، جس سے تحقیق میں قوّت اور جان پیدا ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا مختصر سے اقتباس میں آپ نے بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ ۳۲ اصطلاحات رقم کی ہیں، جس سے آپ کی اصطلاحات شناسی کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔

### جدّت

آپ کی مقالہ نگاری کی ایک یہ بھی خصوصیت نمایاں ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی جدت اور نیا پن نمایاں دیکھائی دیتا ہے، مثلاً جہاں محققین نے کسی کام کو چھوڑا تو آپ نے جدّتِ تحقیق سے اس میں اضافہ فرمایا، آپ رقمطراز ہیں:”بحمدہ تعالیٰ بطلانِ حرکتِ زمین پر ایک سو پانچ

دلیلیں ہوئیں، جن میں پندرہ اگلی کتابوں کی ہیں جن کی ہم نے اصلاح بھی کی اور پورے نوے دلائل نہایت روشن وکامل بفضلہٖ تعالیٰ خاص ہماری ایجاد ہے۔"

چنانچہ اس جدت طرازی کی خصوصیت کے تحت آپ "اقول" کہہ کر ایک قول کو ترجیح دے کر قولِ فیصل صادر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ (جلد اوّل قدیم) میں ۱۴۴ فتاویٰ اور ۲۸ رسائل ہیں۔ ان میں امام احمد رضا کی تحقیق اور قولِ فیصل کی تعداد لفظ "اقول" سے تین ہزار پانچ سو چھتیس ہے (معارفِ رضا ۲۰۰۴ء بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلدِ اوّل)۔ اس طرح آپ کے خطبۂ حدیث میں نیا پن اور امتیاز یہ ہے کہ اس خطبے میں آپ نے علمِ حدیث کی ۸۰ اصطلاحات اس خوبصورتی کے ساتھ بیان کی ہیں کہ علمِ حدیث کا اسکالر عش عش کہہ اٹھتا ہے۔

## حوالہ جات

تحقیقی مقالے کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صحیح صحیح انداز میں حوالہ جات کا اہتمام کیا جائے۔ اس صورت میں مصنّف، کتب اور صفحات کا اندراج کثرت سے کرتے ہیں۔ مثلاً غائبانہ نمازِ جنازہ کے عدم جواز پر چھیاسی معتبر ومستند کتبِ فقہ کے متون وشروح کی ۲۳۰ عبارتوں سے آراستہ فرمایا (معارفِ رضا، ص ۱۰۰، ۲۰۰۵ء) "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" میں ساٹھ احادیث، صحابۂ کرام تابعین اور علماے سلف کے دو سو اقوال پیش کیے اور اس رسالے میں کل چار سو حوالہ جات پیش کیے۔

آپ ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس میں مذکور دوسری کتابوں کے حوالہ جات سے بھی اپنی تحریر میں استفادہ کرتے ہیں، لیکن اس طرح کہ پہلے اوّل مطالعہ شدہ کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، پھر اس میں مذکورہ دوسری کتب کے حوالہ جات لکھتے ہیں؛ لیکن براہِ راست دوسری کتاب کا حوالہ درج کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں: "ردالمحتار' میں ہے حموی نے کنز کی شرح میں علامہ مقدسی سے نقل کیا ہے۔""غمزالعیون میں بحوالہ ذخیرہ شرح المجمع سے منقول ہے۔""فی الہندیہ عن الخانیہ عن الجامع۔ ہندیہ میں بحوالہ خانیہ اور جامع سے منقول ہے۔"

اس کے برعکس کچھ محققین دوسروں کے حوالہ جات کو براہِ راست تحریر کرتے ہیں۔ مذکورہ حوالے کی غلطی کی نشان دہی کی جاتی ہے تو دامن چھڑانے کے لیے کہا جاتا ہے "فلاں کتاب میں اسی طرح درج ہے"، جس کی وجہ سے محقق کی شخصیت اور علمی ثقاہت داغ دار ہو جاتی ہے۔

## غلبۂ شوق سے گریز

آپ کے تحقیقی مقالہ نگاری کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ دلائل اور ثبوت سے اپنے موقف کو مدلّل فرماتے ہیں، کیوں کہ تحقیقی مقالہ نگاری میں غلبۂ شوق کی جولانیاں دکھانے کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی؛ جبکہ اس غلبۂ شوق کی تسکین کے لیے ادبی مقالہ نگاری کا میدان کھلا ہے۔ اس حدِّ فاصل کو مدِّ نظر رکھ کر آپ خود فرماتے ہیں" غلبۂ شوق اور چیز ہے اور ثبوت دلائل اور۔" (فتاوٰی رضویہ، ص ۳۶۳، ج ۲۸)

## متعلّقہ مواد کا وسیع مطالعہ

الشیخ احمد رضا حنفی محدث بریلوی کی مقالہ نگاری کی نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ معلومات کی فراوانی نکتہ آفرینی، ژرف نگاہی، تجزیہ نگاری علم وحکمت کے تمام موجود وسائل کا استعمال اور ان کے برموقعہ برتنے کا سلیقہ، نفسِ مضمون سے متعلق وسیع علوم وفنون سے آگاہی بلکہ ان کی جزئیات و فروعات کی نہایت ہی تحقیق و تدقیق کے ساتھ تمام پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ دلائل و براہین کا نظم وضبط، اصل مآخذ سے قابلِ اعتماد نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت مطالعے کا بیّن ثبوت ہے۔ اس تحقیقی عمل میں دِقتِ ذہنی اور بدنی تکالیف کو حائل نہیں ہونے دیتے۔ اسی وسیع مطالعے کی بنیاد پر اہلِ علم آپ کے اضافات وافادات اور تعلیقات سے متاثر ومتحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

## صحتِ ترجمہ

مفکرِ اسلام مقالہ نگاری کے دوران اپنے مقالے کو وقیع بنانے کے لیے دیگر زبانوں کے اقتباسات بھی رقم کرتے ہیں اور قاری کی تفہیم کے لیے صحتِ ترجمہ کے لیے پیغام اور فکر کو اوّلیت دیتے ہیں، الفاظ وزبان اور صرف و نحو کو ثانوی حیثیت؛ کیونکہ آپ پیغام کی منتقلی کی ترجمانی کرتے ہیں نہ کہ صرف ونحو کی۔ یہی وہ علمی و فکری نکتہ ہے جو آپ کو دیگر مترجمین سے ممتاز کرتا ہے، کیونکہ وہ ترجمہ کرتے وقت صرف و نحو کی ترجمانی کرتے ہیں فکر وپیغام کی نہیں؛ جبکہ آپ کے یہاں صحت پیغام کو اوّلیت اور صحتِ زبان والفاظ کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ اسی خصوصیت کی بناپر آپ کے تراجم کو اصل کا نقشِ ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ خود بھی معیاری ترجمہ نگاری کے اصول کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

**(بقیہ صفحہ نمبر 40 پر ملاحظہ فرمائیے)**

# عقد عاریت اور تحقیقاتِ رضا

**صبانور** (ریسرچ اسکالر، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد)

**خلاصہ:** عاریت یعنی عارضی طور پر کسی چیز کا دینا بذات خود ایک نیکی کا کام ہے اور یہ انسانیت کا تقاضا ہے کیونکہ انسان باہمی اعانت کا محتاج ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بنی نوع انسان کا ایک دوسرے کی حاجت روائی اور باہمی حسنِ سلوک ان نیکیوں میں سے ہے جن سے تعلقات مستحکم ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث سے اس امر کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ادھار لین دین میں شریعت مطہرہ نے کچھ شرائط بھی عائد کی ہیں جن کی پابندی اشیاءِ اُدھار لینے اور دینے والے پر عائد ہوتی ہے تاکہ انسانوں کے مابین یہ معاملہ بغیر کسی جھگڑے فساد کے قائم رہے۔ اس مقالے میں امام احمد رضا کی عاریت سے متعلق تحقیقات کو پیش کیا گیا ہے خصوصاً آپ نے جہیز سے متعلق جو مسائل بیان کیے ہے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور جہیز کے تلف ہو جانے کی بنا پر تاوان کے مسئلے کے بارے میں آپ کی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ آپ کی اِن تحقیقات سے راہنمائی حاصل کر کے ہم دورِ حاضر میں عاریت سے متعلّق مسائل حل کر سکتے ہیں۔ (صبا)

**تعارف**

دین اسلام ایک فطری دین ہے۔ اس نے انسانوں کے مابین ادھار لین دین کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ کوئی بھی انسان اپنی ضروریات میں خود کفیل نہیں ہو سکتا۔ اسے لازماً دوسرے لوگوں سے لین دین کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات انسان اپنی ضرورت کی شے خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اتنی رقم موجود ہوتی ہے کہ وہ اس شے کو اُجرت پر حاصل کر سکے، اسی لیے اسلام نے انسانوں کے مابین اشیاء کے اس ادھار لین دین کو جائز قرار دیا۔ مسلمانوں کا عاریت کے امر شرعی ہونے پر اجماع ہے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کے ارشاد اور نبی ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے۔

**طریقۂ کار**

عاریت ایک ایسی سنّت ہے جو مندوب ہے کیونکہ اس کے ذریعے لوگوں پر احسان کیا جاتا ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں عاریت کا معنٰی و مفہوم، عاریت کی شرعی حیثیت اور فقہ اسلامی میں عاریت سے متعلقہ احکامات کو بیان کیا گیا ہے نیز امام احمد رضا نے "فتاوٰی رضویہ" میں عاریت سے متعلق جن مسائل کو بیان کیا ہے ان کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخر میں ان تحقیقات کا عملی اطلاق اور ماخذ و مراجع درج کیے گئے ہیں۔

**تحدید**

اِس تحقیقی مقالے میں امام احمد رضا نے عاریت سے متعلقہ جو تحقیقات فتاوٰی رضویہ میں بیان کی ہیں انکا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

**اعتذار**

عاریت کے موضوع سے متعلقہ فتاوٰی رضویہ کی جدید جلد نمبر ۱۲، ۱۸، ۱۹، ۲۵، میں جن مسائل کا بیان امام احمد رضا نے پیش کیا ہے، اِس تحقیقی مقالے میں صرف انہی جلدوں سے تحقیقات کو پیش کیا گیا ہے۔

**مقاصدِ تحقیق**

اِس مقالے کا محور و مرکز درج ذیل مقاصد ہیں:

(۱) روز مرہ زندگی میں عاریت سے متعلق اسلام کی تعلیمات کو بیان کر کے لوگوں کو اِن سے روشناس کرانا۔

(۲) اسلام نے عاریت سے متعلقہ جو حدود و قیود اور شرائط بیان کی ہیں، انکو منظر عام پر لانا کہ عاریتاً شے لینے اور دینے والے کو مقررہ مدت کے بعد کسی بھی نقصان سے بچایا جا سکے۔

(۳) اِن تحقیقات کی روشنی میں دورِ جدید میں عاریت سے متعلقہ مسائل کا حل تلاش کرنا۔

(۴) دورِ حاضر میں جہاں جہاں کاروباری سطح پر عاریتاً لین دین رائج ہے اس سے متعلق آگاہ کرنا۔

(۵) امام احمد رضا کی عاریت سے متعلق تحقیقات کو بیان کرنا۔

(۶) وہ لوگ جو عقدِ عاریت کو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں اور شرائط کے مطابق ایسا لین دین کریں ان کو تحقیقاتِ رضا سے آگاہ کرنا۔

## عاریت کا معنٰی و مفہوم

لُغت کی رو سے عاریت کے متعدد معنٰی ہیں۔ ایک یہ کہ عاریت اس سے شے کو کہاجاتا ہے جو لوگوں کے درمیان آتی جاتی رہے جیسے کتاب کے لیے "مستعار" کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی وہ لوگوں میں عاریتاً آتی جاتی رہتی ہے۔[1] دوسرے معنٰی میں وہ شے جو جلدی دی جائے اور جلدی ہی واپس آجائے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے اعارہ الشی یعنی اسے فلاں چیز اس نے عارضی طور پر دی۔ غرض عاریت کا مفہوم کسی شے کا جانا اور آنا ہے۔ لفظ "عاریۃ" عار سے بنا ہے جس کے معنٰی ہیں گیا اور جلدی سے آگیا۔[2] تیسرے معنٰی عاریت کے یہ ہیں کہ عاریت نام ہے اُس شے مقصود کا جو لینے والے کے پیش نظر ہو ایسی صورت میں یہ لفظ مصدر عراہ یعروہ عروا سے نکلا ہے جس کے معنٰی قصد کرنے کے ہیں کیونکہ عاریتاً لی ہوئی چیز لینے والے کا مقصد مدعا ہوتی ہے۔ لیکن مختلف اصحاب اس پر متفق ہیں کہ لفظ عاریت "عار" سے نسبت کرکے بنا ہے، کیونکہ جو شے کسی ضرورت مند کو دے دی جاتی ہے۔

فقہا کی اصطلاح میں "عاریۃ" کا مفہوم یہ ہے "عاریت یہ ہے کہ کسی کو کسی شے کی مقعت کا مالک بنا دیا جائے۔"[3] عاریت کے معاملے میں ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں تملیک بلاعوض ہوتی ہے، اور وہ ایجاب و قبول کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن اس میں زبان سے کہنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ مطلوبہ شے کا لین دین کافی ہوتا ہے۔ یعنی دینے والا اس مطلوبہ شے کو دے کر کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کردے اور لینے دینے والا دونوں ہی جانتے ہوں کہ یہ لین دین عاریتاً ہو رہا ہے۔ عاریت کے طور پر لینے دینے کے لیے ان الفاظ کا استعمال کرنا ضروری نہیں ہوتا کہ میں تمھیں یہ شے عاریتاً دے رہا ہوں۔ یعنی یہ کہہ دینا کہ میں یہ کپڑا تم کو عنایت کر رہا ہوں، یا میں نے یہ جانور سواری کے لیے تمھیں دیا، یہ الفاظ عاریت کے ہیں۔ اس طرح یہ کہہ دینا بھی عاریتاً کے معنوں میں آتا ہے کہ میں ایک ماہ کے لیے یہ گھر بلا کرایہ تم کو دے رہا ہوں وغیرہ وغیرہ۔[4]

## قرآن و حدیث سے ثبوت

ادھار دینے کا عمل ایک اچھا اور مطلوب عمل ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ یہ امر خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت آتا ہے: "وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ"[5] "اور معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں۔" اس سے مراد گھریلوں سامان ہیں۔ جو لوگ عام طور پر دیتے ہیں جیسے کلہاڑی، ڈول، رسی وغیرہ۔ ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وتعاونوا علی البروالتقوی۔[6] "نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔" ان آیاتِ مبارکہ سے عاریت کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی عاریت کے بارے میں واضح ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ عاریتاً لی ہوئی چیز ادا کی جائے اور جو جانور دودھ دپینے کے لیے دیا جائے وہ واپس کر دیا جائے۔[7] حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاتھ کے ذمّے ہے جو کچھ اس نے لیا یہاں تک کہ ادا کرے۔"[8] حضرت برا ابن عاذب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے دودھ یا ورق کو عاریتاً دیا یا کسی بھولے بھٹکے کو راستہ بتایا اس کے لیے غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔ (یہاں ورق کی عاریتاً دینے سے مراد روپے پیسے کو قرض پر دینا ہے)۔[9] حضرتِ قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے انس کو کہتے سنا تھا کہ مدینہ میں کچھ گھبراہٹ پیدا ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ سے اس کا گھوڑا عاریتاً لیا اس کا نام مندوب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور خبر معلوم کرنے کے لیے نکلے جب واپس لوٹے تو فرمایا کہ ہم نے خوف والی کوئی بات نہیں دیکھی اور تحقیق کہ ہم نے اس گھوڑے کو کشادہ قدم پایا ہے۔[10] اِن احادیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ عاریتاً شے لینا جائز ہے اور لینے والے پر یہ فرض ہے کہ ضرورت کے بعد وہ شے واپس اُس کے مالک کو ادا کر دی جائے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک بیوی کے پاس تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی نے رکابی میں کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کے گھر میں تھے اُس بیوی نے خادم کو ہاتھ مارا رکابی گر کر ٹوٹ گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکابی کے ٹکڑے اکھٹے کیے پھر اُس کھانے کو جمع کیا جو اس رکابی میں تھا پھر خادم کو روکا اور جس بیوی کے پاس ٹھہرے تھے اُن سے ثابت رکابی لی اور اُس بیوی کے گھر بھیجی جس کی رکابی ٹوٹ گئی تھی۔[11] اِس حدیثِ مبارکہ سے نہ صرف عاریت کا ثبوت ملتا ہے بلکہ یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ عاریتاً لی ہوئی شے اگر تلف ہو جائے تو اس کے مثل شے دینا لازم ہوتی ہے۔

## شرائط

عاریت کے اجزا چار ہیں: (۱) معیر: یعنی شے عاریتا دینے والا۔ (۲) مستعیر: خواہش مند جو شے لے۔ (۳) معار: وہ شے جو عاریتاً عنایت کی جائے۔ (۴) صیغہ: یعنی الفاظِ عاریت۔ ان اجزا کے لیے مختلف شرائط ہیں۔ بعض کا تعلق کوئی شے عاریتاً دینے اور لینے والے سے ہے۔ ان دونوں کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ عاقل ہوں اور باشعور ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی مجنوں یا ناسمجھ بچہ کوئی شے عاریتاً دے تو درست نہیں ہے۔ اس میں بالغ ہونا شرط نہیں ہے ایسا نابالغ جسے تصرّف (لین دین) کی اجازت ہو عاریتاً کوئی شے دے تو درست ہو گا۔

بعض شرائط کا تعلق عاریت کی شے سے ہے۔ اس کے لیے شرط ہے کہ عاریتاً دینے والی شے ایسی نہ ہو کہ جسے تلف کر کے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اگر بنیادی طور پر اس شے سے استفادہ ممکن نہ ہو، جیسے کوئی مریض جانور ہے تو اسے عاریتاً دینا درست نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی شے کو تلف کر کے اس سے فائدہ اٹھایا جائے جیسے اشیاے خوردنی، یا موم بتی وغیرہ کہ جب تک اسے جلایا نہ جائے، اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اس صورت میں عاریتاً لین دین درست نہیں ہو گا۔ عاریت کے طور پر لی گئی شے میں یہ بھی شرط ہے کہ ضرورت منداس شے کو حاصل کرے، اگر اس نے نہیں لیا تو عاریت نہ ہوئی۔ [۱۲]

## عاریت کی اقسام

عاریت کی اقسام مختلف مذاہب فقہ کے نزدیک مختلف ہیں۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ عاریت کی تین، بعض کے نزدیک چار اور بعض نے دو اقسام بیان کیں ہیں، حنفی فقہا کے نزدیک عاریت کی چار اقسام ہیں۔

**پہلی قسم:** عاریت کی ایک قسم وہ ہے جس میں وقت اور فائدے کی کوئی پابندی نہ ہو، مثلاً نہ دینے والا یہ کہے کہ میں نے اپنا مکان یا جانور آپ کو عاریتاً دیا اور یہ نہ بتایا کہ کتنے عرصے کے لیے اور نہ ہی یہ بتایا کہ جانور سے کیا کام لیا جائے گا۔ عاریت کی اس قسم میں لینے والے کو یہ حق ہے کہ وہ عاریتی شے سے بلا کسی شرط یا پابندی جب تک چاہے فائدہ اٹھائے۔

**دوسری قسم:** دوسری قسم یہ ہے کہ اس شے سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے مدت اور فائدے کی مقدار بتادی جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں نے اپنا گھر آپ کو ایک ماہ کے لیے عاریت کے طور پر دیا، اس دوران آپ سامان رکھ سکتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں لینے والے کے لیے ایک ماہ سے زائد تک اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہو گا اور نہ ہی اپنا سامان رکھنے کے علاوہ اور کسی کام میں لانے کا حق ہے۔

**تیسری قسم:** تیسری قسم یہ ہے کہ مالِ عاریت سے فائدہ اٹھانے کے لیے وقت مقرر کر دیا گیا ہو۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ میں آپ کو جانور تین دن کے لیے عاریتاً دیتا ہوں لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس جانور سے کیا کام لیا جائے۔

**چوتھی قسم:** چوتھی قسم یہ ہے کہ صرف فائدے کی نوعیت بتادی جائے اور وقت کا تعین نہ کیا گیا ہو۔

عاریت کی ان تمام صورتوں میں عاریت کے طور پر دینے والے کا معاملہ لازمی اٹل نہیں، بلکہ وہ شے کا مالک ہے اُسے یہ اختیار ہے کہ جب چاہے اپنی شے واپس لے لے بشرط یہ کہ اس کی واپسی میں لینے والے کو ضرر نہ پہنچے۔ ایسی صورت میں عاریت کی یہ حیثیت ختم ہو جائے گی، اور دی ہوئی شے لینے والے کے پاس مناسب اُجرت پر دی ہوئی شے متصور ہو گی مثلاً کسی کو گھوڑا ایک خاص مقام تک جانے کے لیے عاریتاً دیا گیا، تو دینے والے کو حق نہیں کہ اس کی واپسی کا مطالبہ ایسی جگہ پر کرے جہاں سے کرایہ کی سواری لے کر مستعیر (لینے والے) کو واپس آنا ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں گھوڑا مستعیر کے پاس ہی رہے گا، لیکن اس وقت سے اس کی اُجرت مثل واجب الادا ہو گی۔ [۱۳]

عاریت کے بہت سے احکام میں فقہاے کرام کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ یہ امانت ہے یا ضمانت۔ بعض فقہا اسے ضمانت یعنی تاوان قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سرے سے ہی تاوان نہیں۔ جن فقہا نے ضمانت کو درست نہیں مانا انہوں نے اسے امانت کے مشابہ قرار دیا۔ اُجرت پر شے دینے کے بارے میں علماے کرام کا اتفاق ہے، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام مالک اس مسئلے میں متفق ہیں کہ تاوان واجب نہیں ہے۔ لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ادھار لینے والے پر تاوان عائد کیا جائے گا۔

شریعتِ اسلامی کی رو سے کسی شے کو عاریتاً لینے والا اس کا امانت دار ہوتا ہے۔ عاریتاً لینے والا اُس شے کی حفاظت کرے۔ اگر اُس سے شے تلف ہو جائے، یا وہ جان بوجھ کر اس شے کی بے قدری کرے اور جہاں تک اس نے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی اس سے خیانت کی تو

اس پر ذمے داری عائد ہوتی ہے اور اس پر کن کن صورتوں میں تاوان عائد ہو گا، وہ مختلف ہیں۔

## وہ صورتیں جن میں تاوان عائد ہو گا

عاریتاً شے کو دیتے وقت جبراً اس کے نقصان کی شرط لینے والے پر لگا دی جائے، تو یہ شرط باطل ہے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ تاہم چند امور میں مستعیر (ادھار لینے والے) پر عاریتی شے کا تاوان لازم ہو گا۔ ادھار لینے والا جب تک اس شے کے ساتھ بے اعتدالی کرے، یا جان بوجھ کر اس چیز کو ضائع کرے، اُس صورت میں اس پر تاوان لازم ہو گا ورنہ وہ نقصان ہونے کی صورت میں ذمّے دار نہیں۔ نقصان مالک کا ہی ہوتا ہے بشرطیکہ اس کی طرف سے اس شے کی حفاظت میں کوئی کمی یا کوتاہی واقع نہ ہوئی ہو۔ عاریتاً دینے والا اس شے کا مالک نہ ہو بلکہ اس شے کا کوئی اور مالک ہو، اور وہ ادھار پر دے، ادھار لینے والے سے وہ شے تلف ہو جائے تو اس کو اس شے کی قیمت ادا کرنا پڑے گی کیونکہ اسے ادھار اس شے کے مالک نے نہیں دیا تھا۔

اگر ادھار شے لینے والا اس عاریتی شے کو رہن (گروی) رکھ دے یا کرائے پر دے، اور کرائے دار کے پاس سے وہ شے ضائع ہو جائے اس صورت میں بھی مستعیر (ادھار لینے والے) پر تاوان عائد ہو گا کرائے دار سے اس شے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ پھر اسے یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ اس کرائے سے فائدہ اٹھائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ کرائے کو صدقہ کر دے۔ لیکن مالک کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ کرائے دار سے اس شے کا تاوان طلب کرے اور کرائے دار اس شخص سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے جس سے اس نے کرائے پر حاصل کیا تھا اگر اسے علم نہ ہو کہ یہ شے اس شخص کے پاس عاریتاً تھی۔ اگر اسے یہ معلوم تھا تو جو کچھ اُس نے کرایہ ادا کیا سب اس کا ضائع ہوا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جب عاریتاً لیتے ہوئے جانور کو رہن رکھا اور وہ مرتہن (یعنی جس کے پاس رہن رکھا) سے ہلاک ہو جائے تو مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کا تاوان لینے والے سے وصول کرے، اور وہ اس کی ذمّے داری مرتہن پر ڈال سکتا ہے۔ مرتہن اس کی قیمت ادا کر دے تو یہ قیمت ضائع شدہ متصور ہو گی، اور وہ (مستعیر) سے اس قرض کے علاوہ کچھ اور مطالبہ نہیں کر سکتا جو اس نے رہن شدہ جانور پر اُسے ادا کیا تھا۔

الغرض مستعیر (ادھار لینے والا) عاریت کی شے کو کرائے پر دے یا رہن رکھوا دے، چیز کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں مالک مستعیر سے تاوان وصول کر سکتا ہے اور یہ کسی سے رجوع نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستاجر یا مرتہن سے تاوان وصول کیا جائے اور پھر یہ لوگ مستعیر سے واپس لیں کیونکہ اس کی وجہ سے ان پر تاوان لازم ہوا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ کرائے پر حاصل کرنے والے شخص یا مرتہن کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ پرائی شے کو کرائے پر حاصل کر رہا ہے۔ اگر یہ معلوم تھا تو تاوان کی واپسی نہیں ہو سکتی۔ اگر عاریتاً دینے والے نے شے کو دیتے وقت شے کے استعمال کے لیے کوئی خاص کام مقرر کیا تھا اور لینے والے نے اس مقررہ کام کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کیا، پھر وہ شے ضائع ہو گئی تو اس صورت میں یہ دیکھنا ہو گا کہ شے لینے والے نے اس شرط کی مخالفت بدنیتی سے کی تو اس پر تاوان عائد ہو گا۔ اگر اُس کی بدنیتی ظاہر نہیں ہو رہی تو اُس پر تاوان عائد نہیں ہو گا۔

## عاریت کی معیاد

عاریت میں مقررہ وقت کی تقیید کر دی گئی ہو تو مستعیر پر لازم ہے کہ وہ وقت کا لحاظ رکھے، وقت گزرنے کے بعد اس کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شے عاریتاً دی گئی، وقت گزر گیا اور مستعیر اسے واپس نہ کر پایا۔ اس صورت میں اگر شے اُس کے پاس سے تلف ہو جائے تو تاوان دینا واجب ہو گا۔ پس مقررہ وقت کے بعد مستعیر پر لازم ہے کہ وہ شے مالک کو واپس کر دے، برخلاف اس کے اگر شے رہن رکھنے کے لیے عاریتاً لیا تو اس کے واپسی لانے کی ذمّے داری مالک پر ہے۔ ایسی صورت میں عاریتاً لینے والا اس کے تاوان کا ذمّے دار نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر مستعیر مقررہ وقت گزر جانے کے بعد شے کو اپنے پاس روک کر رکھے یا کسی شخص کے ہمراہ اسے مالک کے پاس بھیجے تو تلف ہو جانے کی صورت میں وہ تاوان ادا کرے گا۔ لیکن اگر مدت گزرنے سے قبل ہی وہ شے واپس ارسال کرے تو پھر تلف ہو جانے کی صورت میں وہ تاوان ادا نہیں کرے گا کیونکہ مدت گزرنے سے قبل وہ شے مستعیر کی تھی، اور مستعیر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شے کسی کی سپردگی میں دے، خواہ دوسرا شخص اجنبی ہو یا ملازم۔ مستعیر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بعض حالات میں عاریتی شے کسی اور کو عاریتاً

دے تو کسی کی سپردگی میں دینے کا حق بدرجہ اولیٰ اسے حاصل ہے لیکن مقررہ معیاد گزر جانے کے بعد مستعیر نقصان کا ذمّے دار ہوگا۔

## امام احمد رضا کی عاریت سے متعلق تحقیقات

امام احمد رضا کی متعدد تصانیف ایسی ہیں جن میں انہوں نے مسلمانوں کے معاشی مسائل کا حل اسلام کے اصولوں کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ دورِ حاضر میں جن معاشی مسائل کا ہمیں سامنا ہے، ان کا حل امام احمد رضا کی تعلیمات سے نکالا جاسکتا ہے۔ آپ نے عاریت سے متعلق احکامات اور مسائل کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور عاریت کی زمین، عاریت کی اشیا کی مدت اور تاوان کے بارے میں بحث کی ہے۔ آپ نے خاص طور پر شادی بیاہ کے موقع پر جو اشیا والدین کی طرف سے یا شوہر کے گھر والوں کی طرف سے دلہن کو دی جاتی ہیں ان کے بارے میں بیان کیا ہے نیز جہیز میں جو کچھ بھی دیا جاتا ہے اس کی ملکیت اور زیورات کے بارے میں تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔

جہیز خاص لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے جس میں شوہر کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ میاں بیوی میں علیحدگی کی صورت میں بیوی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنا کل جہیز شوہر کے گھر سے لے جاسکتی ہے۔ بیوی کے فوت ہوجانے کی صورت میں وہ جہیز اس کے وارثوں کی ملکیت ہوتا ہے۔ امام احمد رضا اس بارے میں فرماتے ہیں کہ جہیز ہمارے بلاد کے عرف نام شائع سے خاص ملکِ زوجہ ہوتا ہے۔ اس میں شوہر کا کوئی حق نہیں۔ شادی کے بعد گھر میں مرد اُن جہیز کی اشیاء کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور عرفاً اس سے ممانعت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اشیا شوہر یا اس کے والدین کی ملکیت ہیں بلکہ باہمی طور پر گھروں میں میاں بیوی کے سامان میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا جیسے کہ عورتیں بے تکلف شوہر کا مال اپنے استعمال میں رکھتیں ہیں اس سے وہ ان کی ملکیت نہیں ہوتے۔[15] ''عقود الدریہ'' میں ہے کہ شوہر کے خریدے ہوئے مال سے عورت کا نفع حاصل کرنا اور شوہر کا اس پر رضا مند ہونا اس بات کی ہر گز دلیل نہیں کہ وہ عورت اس مال کی مالک ہوگئی، جیسا کہ عورتیں اور عام لوگ سمجھتے ہیں۔[16]

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ شوہر کے گھر والوں کی جانب سے دلہن کو جو بری دی جاتی ہے شوہر اور اس کے گھر والے اگر اس نیت سے زیادہ دیتے ہیں کہ ہماری ہی چیز پھر ہمارے پاس ہی آجائے گی اس سے تو یہ ظاہر کہ شوہر کی جانب سے کوئی تملیک نہ ہوئی، اور نہ ہی وہ دلہن کو ان اشیاء کا مالک جانتے ہے، تاہم یہ معاوضہ نہ ہوا کہ اس کے عوض شے کی امید رکھتے ہوں یعنی جہیز وہ بھی تو ملکِ زوجہ ہی ہوگا۔ عوض و معوض ایک ہی ملک میں جمع نہیں ہوسکتے۔ دلہن کو جو کچھ بھی بری کے طور پر شوہر کے گھر والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے، علیحدگی کی صورت میں اس کی واپسی لازم نہیں ہوتی۔ جہیز تو دلہن کی ملکیت ہے، بری اُس کا عوض نہ تھی۔

اسی طرح دلہن کی طرف سے دولہا کو جو چیزیں دی جاتی ہیں مثلاً جوڑا وغیرہ اور بھی جو اشیاء دلہن کے والدین کی طرف سے دولہے کو دی جاتی ہیں، وہ شوہر کی ملک ہیں۔ اگر وہ ہلاک کردے، تو دلہن والے اُس کا کوئی تاوان لینے کے حقدار نہیں کیونکہ ہلاک موہوب مطلقاً مانع رجوع ہے۔[17] جیسا کہ عام رواج ہے کہ لڑکی کے والدین اپنے مال سے لڑکے کو دیتے ہیں، اگر یہ شخص نسباً ان کا محرم مثلاً بھتیجا بھانجا ہے جوڑا مال زوجہ سے رضائے زوجہ بنا کر بھیجا گیا تو ان صورتوں میں بھی واپس لینے کا اختیار نہیں، اگرچہ جوڑا سلامت موجود ہو کیونکہ قرابتِ محرمہ و زوجیت دونوں مانعِ رجوع ہیں۔ اگر قرابتِ محرمہ نسبیہ نہ ہو جوڑا یا دیگر اشیا مالِ زوجہ سے بنا اور نکاح سے پہلے بھیجا گیا تو شوہر کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کا اختیار ہوگا، کیونکہ دونوں طرف سے جوڑوں اور دیگر اشیا کا جانا عام رواج اور رسوم کے مطابق ہے، نہ کہ ایک دوسرے کے عوض میں۔ اگر ایک طرف سے بوجہ افلاس چیزیں واپس نہ بھی ہوں تب بھی دوسری طرف والے بھیج دیتے ہیں تو عوض صریح ہے کہ موانع رجوع سے ہے متحقق نہیں۔ پھر دولہا کی جانب سے بری میں ہر گز اس جوڑے کا خیال نہیں آتا جو دولہا کو ملتا ہے، بلکہ محض ناموری یا وہی کثرت جہیز کی طمع وغیرہ۔ الغرض یہ ہبہ معاوضہ سے خالی ہے۔ بشرائط دلہن والوں کو رجوع کا اختیار حاصل ہوگا مگر گناہ گار ہوں گے۔ لیکن پھر بھی دولہے نے اگر واپس کردیا تو رجوع صحیح ہوگی اور اس کی ملک سے خارج ہوگئی۔ لیکن اگر قرابت و زوجیت وغیرہ کی صورت میں بھی اس نے برضائے خود جوڑا انہیں ہبہ کرنے کے ارادے سے واپس کردیا، ہبہ صحیح ہوگا۔ اگر یہ خیال رکھ کر واپس کردیا کہ جوڑا بھی مثل جہیز ہے اس کی واپسی بھی مجھ پر لازم تو یہ واپس دینا معتبر نہ ہوگا نہ وہ جوڑا شوہر کی ملکِ سے نکلے گا۔ اُسے اختیار ہے کہ وہ واپس لے لے اور ان پر لازم کہ واپس کردیں۔[18]

اسی طرح اگر ورثا میں سے شوہر یا والدین یہ دعویٰ کریں کہ ہم نے فلاں زیور یا دیگر اشیا جو جہیز میں دی تھیں وہ عاریتاً دی تھیں ہم کو واپس ملنی چاہییں، یا شوہر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے فلاں وقت میں جو زیور بنوایا استعمال کے واسطے دیا تھا واپس مانگے تو اس صورت میں والدین کا دعویٰ کرنا کہ ہم نے فلاں شے جہیز میں عاریتاً دی تھی واپسی کو کہیں یہ شے عرف کے خلاف ہے۔ والدین کا قول شہادت کے بغیر نہیں مانا جائے گا کیونکہ جو جہیز والدین کی طرف سے بیٹی کو دیا جائے ورثا میں سے کوئی بھی اُسے واپس لینے کا حق نہیں رکھتا وہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اگر والدین عاریتاً دیں تو دیتے وقت گواہ بنالینا چاہیے۔ اس کے برعکس شوہر جو زیور اپنی بیوی کو استعمال کے لیے بنوا کر دے وہ ان زیورات کی واپسی چاہے تو اُس کی بات مانی جائے گی کیونکہ شوہر ہی جب تملیک کر دینے کا مقر نہیں تو بغیر شہادت کے وہ اس کی زوجہ کی ملک نہ ہوگی کیونکہ دینے والا بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس طرح دیا ہے۔ جب کہ یہاں عرف واضح نہیں جس پر فیصلہ دیا جائے، لہٰذا شوہر کو واپس لینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔[۱۹]

امام صاحب سے سوال ہوا کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی ضرورت کے پورا کرنے کو قرض کے طور پر کچھ زیور دے دیا اور کہا کہ یہ زیور رہن کرکے اپنا کام انجام دے لو اور بعد میں واگزاشت کرا کے دے دینا۔ کچھ عرصے بعض زیور کا مالک فوت ہوگیا۔ مدیون کو ایک ثالث شخص کی زبانی یہ دریافت ہوا کہ دائن نے انتقال سے قبل یہ وصیت کی تھی کہ اگر میرا انتقال ہوجائے تو زیور میرے بیٹے کو واپس نہ کرنا بلکہ پوتے کو کرنا۔ لیکن جو شخص دائن کی یہ وصیت بیان کر رہا ہے وہ ایک معمولی سا بندہ ہے ہرگز نیک اور صالح متقی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دائن نے بدحواسی کے عالم میں یہ وصیت کر دی ہو، یہ بھی وجہ ہے کہ دائن کا بیٹا ایک غریب اور تنگدست ہے اور وہ نہایت شریف اور صالح ہے کوئی اخلاقی بُرائی اس میں نہیں پائی جاتی، جبکہ اس کا پوتا نیک چلن نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ زیور اس کے پوتے کو دے جائے تو ضرور ضائع کر دے گا۔ اس صورت میں زیور کس کو دیا جائے؟

امام احمد رضا اس مسئلے کے بارے میں فرماتے ہیں: "جس نے زیور عاریتاً لیا تھا وہ زیور کے مالک کے سب وارثوں کو جمع کرکے ان کے سپرد کرے، اگر وارث صرف ایک ہی بیٹا ہے تو زیور اُسی کو دیے جائیں۔ وہ وصیت اُس شخص سے تعلق نہیں رکھتی اور نہ یہ اسے بطور خود نافذ کرنے کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ وہ وصیت اگر مالک نے واقع میں کی ہے، تو جیسے کی ہے ورثہ اس کے بیان پر اگر وصیت تسلیم کرلیں اور سب عاقل و بالغ ہوں تو اسے ثلثِ مال میں نافذ کریں اور اگر نہ مانیں تو اسے گواہانِ شرعی سے ثبوت دینا ہوگا۔ بے ثبوت نافذ نہ کی جائے گی۔ یہی وصیت اگر عاریتاً لینے والے کو کی ہے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔"[۲۰]

## عاریت کی معیاد

امام احمد رضا سے پوچھا گیا کہ زید نے زمین بکر سے مول لی اور اسی زمین میں سے کچھ بکر کی باقی رہی، زید کی رضامندی سے بکر نے ایک مکان زید کی زمین میں بنالیا، جو زمین باقی رہی وہ صحن بکر کا ہے جب زید نے بکر سے اپنی زمین کی واپسی کا مطالبہ کیا، تو بکر زمین کی قیمت دینے پر رضامند ہوا زمین نہیں، زید اس کے مکان کی قیمت دینے پر بھی آمادہ ہے اور پنچ کا یہی فیصلہ ہے کہ زمین کی قیمت زید کو دلا دی جائے، اس مسئلے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

امام احمد رضا فرماتے ہیں زید کی زمین میں مکان بکر نے زید کی رضامندی سے بنالیا، بکر نے عاریتاً وہ زمین زید سے لی، اور مکان تعمیر کیا اب زید اپنی زمین واپس لینا چاہتا ہے، اس کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی شے واپس لے اس صورت میں زید کو زمین کی قیمت بکر سے لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی زمین بکر کے ہاتھ بیچ ڈالے اور قیمت لے لے، اگر پنچ بھی جبراً اس فیصلے کو نافذ کریں گے تو یہ خلافِ شرع ہے بلکہ حکم یہی ہے کہ زمین زید کی اس کو واپس کر دی جائے وہ مکان جو بکر نے زید کی رضامندی سے تعمیر کیا تھا اگر اس کے عملہ اُکھیڑ لینے میں زید کی زمین کو نقصان پہنچے گا تو بکر کو مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنا مکان اکھیڑ ڈالے اور زید کی زمین خالی کر دے۔ اگر زید راضی ہو تو اپنا عملہ زید کے ہاتھ بیچ دے اگر عملہ اکھیڑنے میں زمین کو ضرر پہنچے گا تو زید کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے نقصان پر راضی ہو کر بکر سے جبراً کہے کہ اپنا عملہ اکھیڑ کر زمین خالی کر دے، یا نہ چاہے تو عملہ خود لے لے یا بازار کے بھاؤ سے اکھڑنے کی حالت میں جو قیمت ہو وہ بکر کو دے جس حالت میں وہ سارا مکان اکھڑوا دیا جائے تو جو نقصان اس اکھیڑنے سے عملے کو پہنچے زید پر اس کا کچھ تاوان نہیں ہوگا۔[۲۱]

لیکن اگر زید نے ایک مقررہ مدت بیان کر دی کہ اس مدت کے اندر تم مکان بناؤ اور مدت کے گزرنے سے قبل اکھڑ وانا چاہے تو عملے کا نقصان زید کے ذمے ہو گا۔ مکان یا زمین جو مالک سے عاریتاً لی ہو تو اس صورت میں بھی مکان پر قبضہ مالک کا ہی رہے گا۔ مر تہن یا مستاجر کی طرح اس کا قبضہ مستقل نہیں ہو گا، مالک جب چاہے اپنی دی ہوئی شے کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

## وہ صورتیں جن میں تاوان عائد ہو گا

بطور عاریت لی ہوئی شے امانت کی طرح ہوتی ہے۔ سوال ہوا کہ اگر مستعیر سے ضائع ہو جائے، یا وہ کسی شخص کے پاس وہ شے بھیجے کہ وہ مالک تک پہنچادے مالک کو وہ شے نہ ملی تو اس صورت میں تاوان مستعیر پر لازم ہو گا یا اس شخص پر جس نے وہ شے ضائع کر دی ہو؟

امام احمد رضا جواب میں فرماتے ہیں کہ عاریتاً لی ہوئی شے اس مقررہ معیاد کے اندر واپس کرنا ضروری ہے جس کی تقیید مالک نے کر دی ہو عاریتاً شے لینے والا کسی اور ذمّے دار اور قابل اعتماد شخص کو وہ شے دے کر مالک کے پاس بھیجے وہ شخص اصلاً مالک کو شے واپس نہ کرے بلکہ اُس کے گھر کسی کو دے کہ یہ شے مالک کو دے دی جائے اور مالک یہ انکار کرے کے مجھے تو یہ شے ملی نہیں تو اس صورت میں تاوان بہر حال اُس شخص پر لازم ہو گا اگر وہ شے قیمتی تھی پھر تو لازم تھا کہ اس کے مالک کو ہی واپس کر دی جاتی اگر وہ شخص گھر میں کسی اور کو وہ شے واپس کر چکا ہے تو اسے اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ جس بندے کے سپر د وہ شے کر رہا ہے وہ مالک کے اہل و عیال میں سے ہے یا اس کے گھر کا ملازم ہے یا اس کا بیٹا ہے یا دیتے وقت یہ وضاحت ہی نہیں کی کہ یہ شے فلاں کی ہے، فلاں اس کا مالک ہے۔ بلکہ ویسے ہی گھر واپس کر کے آگیا تو ان تمام صورتوں میں ادھار شے لینے والے پر کوئی تاوان نہیں بلکہ اُس شخص پر ہی تاوان آئے گا جو شے واپس کرنے گیا تھا۔

اگر عاریت کی مدت ختم ہونے کے بعد اجنبی کے ہاتھ وہ شے بھیجی یونہی اس کے کہے سے وہ بے احتیاطی ہو ان صورتوں میں مالک کو اختیار ہے کہ وہ مستعیر سے ادھار لے یا اس شخص سے تاوان کا مطالبہ کرے۔ الغرض اگر عاریتی شے کو مدت گزرنے سے قبل کسی اور شخص کے ساتھ اس کے مالک کو ارسال کیا، تو تلف ہونے کی صورت میں مستعیر ذمّے دار نہ ہو گا کیوں کہ مستعیر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بعض حالات میں عاریتی شے کسی اور کو عاریتاً دے دے تو کسی کی سپر دگی میں دینے کا حق بدرجہ اولیٰ اسے حاصل ہے؛ لیکن عاریت کی مدت گزر جانے کے بعد وہ بہر حال خود نقصان کا ذمّے دار ہوتا ہے، خواہ کسی ناواقف کے ہاتھ بھیجنے میں تلف ہوئی یا کسی اجنبی شخص یا ملازم کے ہاتھ بھیجنے میں تلف ہوئی۔[۲۲]

بطورِ عاریت لی ہوئی شے امانت کی طرح ہوتی ہے۔ اس شے کی حفاظت مستعیر پر لازم ہوتی ہے ضائع کر دینے کی صورت میں مستعیر ذمّے دار ہوتا ہے۔ اس شے کے واپس کر دینے کا جو وقت شے کا مالک مقرر کرے اس وقت پر شے واپس مالک کے حوالے کرنا اس پر لازم ہوتا ہے ضائع کر دینے کی صورت میں تاوان ادا کرے گا۔

## خلاصہ تحقیق

زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جسکے متعلق اسلام میں راہنمائی موجود نہیں، جیسے معاملات کا عشبہ ہی لیجئے۔ اسلام دوسرے تمام شعبوں کیطرح اس شعبے میں بھی وسیع معلومات فراہم کرتا ہے تا کہ بنی نوع انسان ان معلومات کی روشنی میں اس عقد سے متعلقہ اپنے مسائل کو حل کر سکیں۔ اسلام نے عقدِ عاریت سے متعلقہ مسائل کو بیان کیا ہے کہ لین دین کے سلسلے میں بھی لوگوں کو کھ شرائد کا پابند بنا دیا گیا تا کہ انسانوں کے مابین یہ عقد قائم رہے۔ تکب فقہ مین عقد عاریت سے متعلقہ احکامات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس عقد سے متعلق مسائل کو تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ خصوصاً عاریت لی ہوئی شے امانت کیطرح ہوتی ہے اور لینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُس شے کی حفاظت کرے اور اُسے مالک سے لی ہوئی معیاد کے اندر ہی واپس کر دے، عاریتاً لی ہوئی شے تلف ہو جانیکی صورت میں لینے والے پر تاوان عائد ہوتا ہے۔ لیکن تاوان بھی کچھ خاص صورتوں میں ادھار لینے والے پر عائد ہوتا ہے۔

## نتائج

اِس تحقیق سے درج ذیل نتائج حاصل ہوئے ہیں:

(۱) شریعت مطہرہ نے عقد عاریت کو جائز قرار دیا ہے۔

(۲) اور کچھ شرائد عائد کی ہیں لیکن ادھار دینے والا شے کا مالک ہے وہ جب چاہے لینے والے سے اپنی شے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

(۳) جان بوجھ کر عاریتاً لی ہوئی شے کو ضائع کرنے یا اس کی حفاظت میں کوتاہی برتنے سے تاوان عائد ہوتا ہے۔ اگر بدنیتی ظاہر نہیں تو

تاوان عائد نہیں ہو گا۔

(۴) مالک اُدھار دیتے وقت جو مدت مقرر کرے، لینے والے پر اِس مدت کی پابندی ضروری ہے۔ مقررہ میعاد گزر جانیکے بعد جو بھی نقصان ہو گا مستعیر ذمہ دار ہو گا۔

(۵) امام احمد رضا نے عاریت سے متعلقہ تحقیقات کو پیش کیا خصوصاً جہیز سے متعلقہ مسائل کہ زوجین کی علیحدگی کی صورت میں جہیز خاص زوجہ جی ملکیت ہوتا ہے۔ کوئی بھی اُس سے لینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اِس کے علاوہ بھی امام احمد رضا نے جہیز سے متعلقہ چیزوں کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

## عملی اطلاق

انسان کبھی بھی اپنی ضروریات میں کفیل نہیں ہو سکتا، اسے لازماً دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شریعتِ اسلامی نے انسانوں کی اس حاجت کے پیشِ نظر عاریت کے معاملے کو جائز قرار دیا۔ آج کل انسانوں کے مابین یہ معاملہ عام ہے۔ روز مرّہ زندگی میں بے شمار عاریت کی مثالیں ملتی ہیں۔ بغیر اجرت کے، حسنِ سلوک کے طور پر ہم چیزیں ادھار دے دیتے ہیں، یہ معمولی چیزیں عام استعمال کی معمولی چیزیں بھی ہوتی ہیں اور قیمتی اشیا بھی عاریتاً دی جاتی ہیں۔ دیہاتوں وغیرہ میں عام رواج ہے کہ زمینیں عاریتاً دے دی جاتی ہے، بعض اوقات تو معیاد کا بیان بھی نہیں ہوتا یعنی حسن سلوک کے طور پر کہ ادھار لینے والا جب تک چاہے اس شے سے نفع حاصل کر سکتا ہے۔

روز مرّہ زندگی میں جیسے کپڑے، زیورات، مکانات، دکانیں، اراضی وغیرہ عاریتاً دے دی جاتیں ہیں۔ اسی طرح کتابیں عاریتاً پڑھنے کے لئے دوسروں کو دے دیتے ہیں۔ مختلف کمپنیز بھی اپنے ملازمین کو استعمال کے لیے مختلف چیزیں عاریتاً دے دیتی ہیں۔ ادھار شے لینے والے پر اس شے کی حفاظت کی ذمّے داری عائد ہوتی ہے۔ ضائع ہو جانے پر مالک کو اختیار ہے چاہے تو وہ اس شے کی قیمت لے، چاہے نہ لے۔ امام احمد رضا کی بیان کی گئی تعلیمات کو سامنے رکھ کر تاوان کے مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے اور خصوصاً جہیز کے مسائل جو عموماً آج کل کے دور میں عام نظر آتے ہیں کہ یہ فیصلہ کرانا محال ہو جاتا ہے کہ میاں بیوی کی علیحدگی کی صورت میں جہیز کس کی ملکیت ہوتا ہے اور شوہر کی طرف سے جو چیزیں اسے دی جاتی ہیں وہ کس حد تک اس کی ملکیت ہیں اس جیسے تمام مسائل کو امام احمد رضا کی تعلیمات کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔

## ماخذ و مراجع


۱۔ کتاب الفقہ، عبد الرحمٰن الجزیری، جلد ۳، ص ۴۴۶۔
۲۔ کتاب المجموع شرح المھذب للشیرازی، امام ابی زکریا محی الدین بن شرف النووی، جلد ۱۵، ص ۲۹، مطبوعہ دار احیاء للطباعۃ والنشر والتوزیع۔
۳۔ المرجع السابق، ص ۴۴۶۔
۴۔ کتاب المجموع، ص ۳۳۔
۵۔ القرآن الکریم، الماعون، ۸۔
۶۔ القرآن الکریم، المائدہ، ۲۔
۷۔ سنن ابن ماجہ، حافظ ابی عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجد (مترجم مولانا محمد قاسم امین)، جلد دوم، ص ۲۱۲، مطبوعہ رحمانیہ، اہور۔
۸۔ ایضاً، ص ۲۱۲۔
۹۔ جامع الترمذی، امام ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی ترمذی (مترجم مولانا ناظم الدین)، جلد اول، ص ۹۳۴، مکتبہ علومِ اسلامیہ، لاہور، طباعت بدونِ تاریخ۔
۱۰۔ مشکٰوۃ شریف، امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری (مترجم، مولانا عبد الحلیم علوی) جلد، دوم، ص ۷۳، مطبع لٹل اسٹار پرنٹرز، لاہور، طباعت بدون تاریخ۔
۱۱۔ ایضاً، ص ۷۳۔
۱۲۔ بہارِ شریعت، مولانا امجد علی اعظمی، جلد دوم، ص ۴۰، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز؛ کتاب الفقہ، عبد الرحمٰن الجزیری، ص ۴۴۷۔
۱۳۔ ایضاً، ص ۲۵۲۔
۱۴۔ بدایۃ المجتھد ونہایۃ المعتقد، ابن رشد، ص ۱۰۱۷، مطبوعہ، دار التذکیر، لاہور۔
۱۵۔ فتاوٰی رضویہ (مع ترجمہ و تخریج)، امام احمد رضا بریلوی، جلد ۱۲، ص ۲۰۲، مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور۔
۱۶۔ العقود الدریۃ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ، علامہ ابن عابدین شامی، جلد ۲، ص ۳۵۰، مطبوعہ حاجی عبد الغفار قندھار بحوالہ فتاوٰی رضویہ۔
۱۷۔ فتاوٰی رضویہ، جلد نمبر ۱۲، ص ۲۰۴۔
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۰۵۔
۱۹۔ ایضاً، جلد ۱۸، ص ۲۸۷۔
۲۰۔ ایضاً، جلد ۲۵، ص ۶۳۵۔
۲۱۔ ایضاً، جلد ۱۹، ص ۱۷۴۔
۲۲۔ فتاوٰی رضویہ، جلد ۸، ص ۱۷۸

# حمایتِ دین، صحافت اور فکرِ اعلیٰ حضرت

غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگاؤں، انڈیا)

بیسویں صدی میں میڈیا کی بڑھتی ہوئی قوت و اہمیت نے دنیا پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی کی مسلسل ترقی اور نئے آفاق کی تلاش نے میڈیا پر بھی نمایاں اثر ڈالا۔ اکیسویں صدی میں حال یہ ہے کہ اس کی دسترس سے دنیا کا کوئی خطہ باہر نہیں، ہر جگہ میڈیا کی چھاپ ہے، ہر شعبۂ حیات اس کی بندش میں جکڑا ہوا ہے۔ اَبلاغ اور میڈیا درج ذیل امور کے ذریعے ترقی کی منزل پر پہنچا: (۱) پریس، اُمور طباعت و اشاعت، (۲) کمپیوٹر، (۳) سیٹلائٹ، (۴) انٹرنیٹ / تھری جی، (۵) ٹیلی ویژن، (۶) ایف ایم، ریڈیو وغیرہ

الیکٹرانک میڈیا بڑا برق رفتار واقع ہوا ہے لیکن پرنٹ میڈیا نے بھی اپنی اہمیت برقرار رکھی اور اس سلسلے میں اخبارات و جرائد کی اشاعت ہر روز بڑھ رہی ہے۔ ان کے توسط سے جہاں لادینی نظریات، صیہونی افکار و خیالات عام ہو رہے ہیں، یہودی سازشیں اپنا دائرہ وسیع کر رہی ہیں وہیں بہ نام اسلام وجود میں آنے والے باطل اور گستاخ فرقوں کے گم راہ کن نظریات آن کی آن میں مسلم معاشرے میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ ان کے جرثومے میڈیا اور صحافت کے ذریعے پنپ رہے ہیں اور فضا مسموم ہوئی جاتی ہے۔

ایک صدی پیش تر (۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں) جب کہ میڈیا اور صحافت کی اہمیت اجاگر نہیں ہوئی تھی مفکر اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) نے اشاعتِ دین، اَبلاغِ حق اور دینِ متین کے فروغ کی غرض سے اسلامی صحافت کے قیام و استحکام پر زور دیا تھا، اعلیٰ حضرت کے افکار کا اہم نکتہ یہ تھا "آپ کے مذہبی اخبار شایع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایتِ مذہب میں مضامین تمام ملک میں بہ قیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔"[۱]

پریس کی قوت کو آغاز ہی میں سمجھ لینا بڑی بات ہے، بندۂ مومن کی یہ شان ہے کہ وہ بے پناہ بصیرت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اُس کی دانشِ نورانی مستقبل کے خطرات محسوس کر لیتی ہے، اُس کی تجاویز میں قوم کے عروج کا فلسفہ مستور ہوتا ہے۔ قوم کی بے توجہی و بے پروائی کہ صحافت کے تئیں مسلسل اور مستقل بے داری نہیں رہی جب کہ یہود و نصاریٰ اِس کی اہمیت بھانپ گئے تھے اور اُسی وقت کام شروع کر دیا تھا۔ یہودی خفیہ دستاویز کا ایک نکتہ یہ ہے کہ "آج کی دنیا میں پریس ایک عظیم طاقت ہے، پریس کے حقیقی رول کو دراصل بہت کم سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ریاستیں اِس بے پناہ طاقت کا صحیح استعمال نہیں جانتیں اور اب یہ طاقت ہمارے قبضہ میں ہے، پریس کی قوت سے پس پردہ رہتے ہوئے سارے عالَم پر اثر انداز ہونے کی قوت حاصل ہو گئی ہے۔"[۲]

### میڈیا کا منفی کردار

ایک صدی قبل امام احمد رضا نے قوم کو باخبر کر دیا تھا، جاگنے کا پیغام دیا تھا، اسلام کی اشاعت کے لیے صحافت اور جدید ذرائع اَبلاغ (جو شریعت کے دائرے میں ہوں) کے استعمال کی دعوت دی تھی۔ قوم کی بے خبری کا یہ حال کہ آج صحافت کے تقریباً ہر شعبے پر اسلام دشمن لابی حاوی ہے۔ ہمارے ملک [مقالہ نگار انڈیا سے تعلق رکھتے ہیں] کا میڈیا زعفرانی فکر کا شکار ہے۔ دو سال پیشتر کی ہی مثال سامنے ہے۔ ہیمنت کرکرے نے تشدد اور دہشت گردی کے جن چہروں سے پردہ اٹھایا تھا، دلائل کے باوجود تنگ نظر میڈیا نے مجرم کی حمایت کی اور صداقت کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی حالانکہ مکروہ چہرے یکے بعد دیگرے بے نقاب ہوتے چلے جا رہے ہیں، دنیا دیکھ رہی ہے انسانیت کا دشمن کون ہے؟ اور دوسری سمت حال یہ کہ بھول سے کسی واردات میں کسی مسلم کا نام آجائے تو اُسے اسلام سے جوڑ کر پروپے گنڈے کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔ انصاف و دیانت کے تمام اصول بالاے طاق رکھ دیے جاتے ہیں۔ اسلام دشمنی کا مظاہرہ کھل کر دیکھنے کو ملتا ہے۔

## صحافت کی عمومی تعبیر

میڈیا رفتہ رفتہ ایک مستقل فن کی صورت میں سامنے آیا۔ اِس کے کینوس میں جو وسعت ہے اُس کا اندازا Exploring Journalism کے مرتبین کی رائے میں اس طرح ہے": صحافت جدید وسائل اَبلاغ کے ذریعے عوامی معلومات، راے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے۔"جب کہ موجودہ صحافت کا معاملہ اجاگر ہے کہ وہ اِس تعبیر سے کس قدر دور ہے اور اِس کی غیر متوازن پالیسی بھی واضح ہے۔

## متوسلینِ رضا کا صحافتی پس منظر

فکرِ رضا کے صحافتی نکتے پر عہدِ رضا میں متوسلینِ رضا اور وابستگانِ رضا نے کسی قدر توجہ مرکوز کی اور عملاً کام بھی کیا۔ امام احمد رضا نے اسلامی صحافت کی آبیاری خود بھی کی اور اِس کی رگوں کو تازہ خون بھی فراہم کیا۔ متوسلینِ رضا جنھوں نے صحافت کی وادی کو زرخیز بنایا اور اپنے اخبارات و رسائل کے توسط سے اشاعتِ دین و اصلاحِ مسلمین کا کام لیا، ان کی ایک مختصر فہرست اس طرح ہے:

(۱) ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور (۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء میں جاری ہوا، کامیابی کے ساتھ قریب ایک صدی جاری رہا۔ اس نے قوم وملت کی بڑی خدمت کی اور اسلامی فکر کی ترجمانی کرتا رہا۔)

(۲) اخبار روز افزوں، بریلی (برادرِ رضا مولانا حسن رضا خاں کی سرپرستی میں جاری ہوا۔)

(۳) اخبار الاسلام افریقا (۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۸ء میں خلیفۂ رضا مولانا احمد مختار میرٹھی نے جاری کیا، اخبار کا مزاج داعیانہ تھا۔ اس میں نو مسلم افراد کی تربیت کے لیے بھی کافی مواد شامل ہوتا۔)

(۴) ہفت روزہ الفقیہ امرتسر (۱۹۱۸ء میں خلیفۂ رضا مولانا محمد شریف کوٹلوی نے جاری فرمایا۔)

(۵) ہفت روزہ اہل فقہ امرتسر (۱۳۲۴ھ میں جاری ہوا۔ عقائد اہل سنت کی ترجمانی میں پنجاب میں اِس کا اہم رول رہا ہے۔)

(۶) ماہنامہ الرضا بریلی (صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے زیر اہتمام اور مولانا حسنین رضا کی ادارت میں ۱۳۳۸ھ میں جاری ہوا۔ کتبِ رضا کی سلسلہ وار اشاعت اِس کا اہم پہلو ہے۔)

(۷) ماہنامہ انجمن نعمانیہ لاہور (انجمن نعمانیہ کے صدر ثانی مولانا شاہ محرم علی چشتی، امام احمد رضا سے قلبی وابستگی رکھتے تھے، دینی و قومی اور فکری معاملات میں رہ نمائی لیتے تھے۔)

(۸) ماہ نامہ السوادُالاعظم مرادآباد (۱۳۳۸ھ میں خلیفۂ رضا مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے جاری فرمایا، اسلامی اُصولوں پر سیاسی رہ نمائی کی اور حمایتِ دین میں نگارشات کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا ساتھ ہی دیابنہ اور آریاؤں کے اعتراضات کے بروقت جوابات شایع کیے)

(۹) ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ (اِس کا اِجرا خلیفۂ رضا مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی نے ۱۳۱۵ھ میں فرمایا، ادارت کے فرائض مولانا ابوالمساکین محمد ضیاء الدین نے انجام دیے۔ اس رسالے نے عقائد اہل سنت کی حمایت میں موثر کردار ادا کیا، امام احمد رضا کی درجنوں علمی و تحقیقی تصانیف کی باضابطہ اشاعت کی۔)[۳]

اِن رسائل و اخبارات نے اسلامی صحافت کو فروغ دیا، برصغیر میں انگریز کے زیر اثر وجود پانے والے لادینی نظریات کا دندان شکن جواب دیا۔ لیکن افسوس کہ اپنوں کی بے اعتنائی نے اِن کی رگوں کو خونِ تازہ فراہم نہیں کیا، اِن میں کچھ تو کم مدت میں دم توڑ گئے اور بعض کافی آگے تک پہنچے اور ہندوستان میں اسلامی صحافت کی ایک مثال قائم کر گئے۔ اخبار دبدبۂ سکندری میں شایع ایک تحریر میں امام احمد رضا فرماتے ہیں": عوام میں اشاعتِ خیالات کا سہل تر ذریعہ اخبارات ہیں، بہ استثنا بعض وہ خود آزادی کے دل دادہ ہیں۔ بد مذہبی بلکہ لامذہبی کے خیالات آئے دن شایع ہوں وہ نہ جھگڑا ہے نہ نفسانیت، مگر حق کی تائید اور اِس کے لیے اپنا کوئی صفحہ دینا جھگڑے میں پڑنا اور نفسانیت پر اڑنا ہے۔"[۴]

## حمایتِ دین کے لیے جذبۂ خیر

اعلیٰ حضرت نے اخبارات کی اشاعت کا بنیادی مقصد دین کی اشاعت قرار دیا، معاصر اخبار الفقیہ امرت سر نے جب آپ سے قلمی تعاون مانگا تو قلمی تعاون کے ساتھ ہی مالی تعاون سے بھی نوازا، تنبیہ بھی فرمائی کہ دین کی اشاعت ہی محورِ نگاہ ہو، مولانا مقبول احمد مصباحی لکھتے ہیں"الفقیہ امرتسر" اخبار کا اجرا ہوا۔ اخبار کے مدیر نے امام احمد رضا سے اس کی اعانت وترقی کے لیے اپنی نگہِ عنایت کو منعطف کرنے کی درخواست کی۔ امام احمد رضا نے اپنے اہلِ خانہ سے بارہ افراد کو اِس کا سالانہ ممبر بنا دیا اور تین روپے سالانہ فی کس کے حساب سے

۳۶/روپے ارسال کر دیے اور یہ صراحت بھی تحریر فرمادی کہ ''ہمارا یہ تعاون اخبار کے ساتھ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اخبار خالص اسلامی فکر و عقیدہ اور اہلِ سنت کے عقائد کی ترجمانی کرتا رہے گا۔ جوں ہی اس میں فرق آئے گا احمد رضا قلم کے ساتھ ساتھ اپنا ہاتھ بھی کھینچ لے گا۔''[۵]

عہد رضا کے اخبار دبدبۂ سکندری رام پور نے بھی حمایتِ دین کی غرض سے مخلصانہ خدمت انجام دی۔ اِس اخبار نے فتنۂ ارتداد ''شدھی تحریک'' جسے فرقہ پرستوں نے اسلام کے خلاف بڑے خفیہ طریقے سے میدان میں اتارا تھا اُس کی سرکوبی میں اہم کردار ادا کیا، فتنۂ شدھی تحریک کو کچلنے کے لیے اعلیٰ حضرت کے حکم پر ''جماعت رضائے مصطفی'' نے وہ سرگرمی دکھائی جو ہماری جماعت کی تاریخ کا نقشِ جمیل ہے۔ جماعت کی روداد اور ارکان کی داعیانہ سرگرمیوں کی پل پل کی رپورٹ دبدبۂ سکندری میں شایع ہوتی تھی۔ گویا متوسلینِ رضا نے فکرِ رضا پر اُسی دور میں عمل بھی کر دکھایا۔

## پیش منظر

آج کیا ہم نہیں دیکھ رہے کہ اخبارات الا ماشاء اللہ کس طرح سے بے راہ روی کا شکار ہیں، اشاعتِ حق میں بعض ہی مخلص ہیں، اکثر مغربیت، جدیدت، لادینیت اور ماڈرنائزیشن سے مرعوب ہیں، اب تو اُردو صحافت بھی شفافیت سے عاری ہوتی جارہی ہے۔ پھر یہ پہلو بھی لایقِ تردد ہے کہ صحافت پر اغیار چھائے ہیں جس کا سبب بھی ہماری اپنی بے اعتنائی اور لاپروائی ہے۔ ایسا نہیں کہ ہمارے یہاں اصحابِ قلم کی کمی ہے بلکہ باعثِ تردد یہ امر ہے کہ ہمارے اصحابِ قلم میں اخبارات کے لیے لکھنے کا رجحان کم ہے۔ شاید اِس کی وجہ یہ ہو کہ اِس میں مالی فائدہ نہیں لیکن دین کی اشاعت اور مسلک حق کے فروغ کے لیے اِسے نظر انداز کرنا غیر دانش مندانہ بات ہے، اِس لیے میں اربابِ علم و دانش سے عرض کروں گا کہ وہ نوجوان نسل کے اصحابِ قرطاس و قلم کی حوصلہ افزائی کریں، اُن میں اسپرٹ پیدا کریں کہ وہ موجودہ صحافت کے شانہ بشانہ مسلکِ حق کی اشاعت کے لیے سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ اِس طرح فکرِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت بھی ہوگی اور باطل فرقوں کے فریب سے قوم کے تحفظ کا سامان بھی ہو گا۔

الحمدللہ! صحافت جس کا مقصد ترسیل و اَبلاغ ہے ہمارے یہاں ۱۴ صدی پہلے سے اِس کا صالح نظام قائم ہے، اشاعتِ دین کا پورا نیٹ ورک اور دعوتِ حق کا معاملہ در اصل ہمارا کامیاب صحافتی محاذ ہے، مساجد کے منبر بھی دعوتِ حق کے لیے اہم مقام ہیں، اِنھیں بھی اِسی رُخ سے دیکھا جا سکتا ہے، ہمیں قرآن مقدس نے جو یہ حکم دیا کہ: وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ''اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں، اور یہی لوگ مراد کو پہنچے''[۶] (کنزالایمان) اِس میں بھی ترسیلِ حق کی جو ترغیب ہے یہ در اصل دعوتِ دین کی غرض سے میڈیا کے درست استعمال پر ہمیں غور و فکر کی دعوت بھی ہے۔

ضرورت ہے کہ صحافت کے تمام ذرایع اشاعتِ مسلک کی نیت سے بروے کار لائے جائیں، مشہور مقُولَہ ہے: شرابِ کہن در جامِ نو۔۔۔ شراب وہی رہے جو ہمیں اَسلاف سے ملی، لیکن پیمانے جدید تقاضوں کے اعتبار سے بدلے جاتے رہیں، دائرۂ شرع میں رہ کر صحافت کے میڈیم اشاعت دین و سنیت کے لیے استعمال میں لائیں۔ آج جنگیں میزائل و بموں سے لڑی جارہی ہیں۔ ہم شمشیر و سناں سے اپنا دفاع کریں گے تو مٹا دیے جائیں گے، اِس لیے ضروری ہے کہ فروغِ اہل سنت کے لیے فکرِ رضا کی رہ نمائی میں انٹرنیٹ، سیٹلائٹ اور پرنٹ میڈیا کے استعمال سے صالح انقلاب برپا کریں۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ امام احمد رضا کے افکار پر عمل کر کے قوم کی صحیح رہ نمائی اور فکری تربیت کی جائے ،ذرایع اَبلاغ کا استعمال اسلام کی اشاعت کے لیے کیا جائے تو فکر کے گلستاں میں بہار آجائے گی

## حواشی و حوالہ جات

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، ص ۱۳۴
۲۔ یہودی پروٹوکول بحوالہ ماہ نامہ ضیاے حرم لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء
۳۔ مولانا عبدالسلام رضوی ''عہد رضا میں وابستگان رضا کی صحافتی خدمات'' مشمولہ یادگار رضا ممبئی ۲۰۰۹ء۔
۴۔ کلیات مکاتیب رضا، دوم، ص ۳۴۵۔
۵۔ مہمان اداریہ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور مئی ۲۰۰۶ء، ص ۳، بحوالہ کلیات مکاتیب رضا۔
۶۔ سورۂ آل عمران: ۱۰۴۔

# رویت ہلال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

اسلام میں نئے ماہ کی ابتدا رؤیت ہلال پر مبنی ہے لہذا آغاز رمضان و تعین عید وحج وغیرہ اسی رویئت سے بلاواسطہ وابستہ ہیں۔ رویئت ہلال کے لئے شریعت نے جو قوانین مقرر کئے ہیں وہ رویئت ہلال کی شہادت واعلان، رویئت کی خبر وذرائع وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ان احکامات کی بنیاد شریعت نے جدید آلات وذرائع پر نہیں رکھی یہاں تک کہ خط وغیرہ بھی ناقابل اعتبار قرار دیئے۔ پیش نظر مضمون رویت ہلال کے موضوع پر ان چند سوالات پر مبنی ہے جو امام احمد رضا سے کئے گئے۔ آپ نے ان سوالات کے جامع جوابات احادیث مبارکہ اور والبرکۃ مع اکابرکم کے مطابق علمائے سابقین کی کتب سے ہی تحریر فرمائے اگرچہ امام احمد رضا خود علوم ہیئت، حساب، توقیت و زیجات وغیرہ میں نہ صرف مہارت تامہ رکھتے تھے بلکہ آپ نے رویت ہلال سے متعلق اِن علوم میں تصانیف بھی لکھیں جن کے مخطوطات ادارہ تحقیقات امام احمد رضا میں محفوظ ہیں۔ امام احمد رضا نے ان علوم کو خدمتِ اسلام کی حد تک ہی استعمال کیا اور شریعت کے مخالف نظریات کو دلائل سے باطل ثابت کر دیا۔ (عبید)

## سوالات

(۱) رؤیت ہلال کے بارے میں تار اور خط کی خبریں معتبر ہیں یا نہیں؟

(۲) جہاں چاند ۲۹ کو نظر نہ آئے وہاں چاند کی رؤیت امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کن کن ذرائع سے ثابت ہو سکتی ہے؟

(۳) اخباروں کے اندر جو لفظ تاریخ ماہ لکھی ہوتی ہے مثلاً ۸ شعبان یا ۱۵ر رمضان یا ۴ ذی الحجہ، اور رؤیت ہلال کا ذکر نہیں ہوتا تو فقط تاریخ لکھ دینے سے وہاں جہاں ۲۹ کو رؤیت نہ ہُوئی اُس ماہ کے ہلال کی رؤیت ثابت ہو سکتی ہے۔

(۴) یہ جو فقہاء نے فرمایا کہ ۲۹ کو اگر چاند نظر نہ آئے ۳۰ دن پُورے کرنا چاہیں تو رمضان اور عید الفطر کے ساتھ خاص یا سب ماہ کے لئے ہے۔

(۵) جنتری کے حساب سے روزہ رکھنا یا عید کرنا یا کسی دیگر ماہ کی تاریخ مقرر کرنا درست ہے۔

(۶) شعبان کی ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے اور افواہ ہو کہ چاند ہو گیا لیکن شہادت دینے والا نہ ملے تو شب کو تراویح مع جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں اور صبح کو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

(۷) یہ جو مشہور ہے کہ رجب کی چوتھی جس دن کی ہوتی ہے اُسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے اور جو شوال کی پہلی ہوتی ہے اُسی روز عاشورہ ہوتا ہے یہ معتبر ہے یا نہیں؟

(۸) اگر کسی جگہ سے ایک یا دو آدمی آکر فقط اتنا کہیں کہ ہمارے شہر فلاں دن عید ہے اور چاند کی رؤیت کا ذکر نہ کریں نہ اپنا نہ دُوسروں کا، تو ان کی اس خبر پر اس شہر والے عید کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۹) اگر متواتر یا تین ماہ میں رؤیت کے دن ابر ہو جائے تو ایسے موقع پر ایک ماہ ۲۹ کا اور ایک ماہ تیس ۳۰ کا لے کر عید لوگ اپنی رائے سے مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر یونہی مقرر کر کے عید کرلی تو نماز ہُوئی یا نہیں؟ اور اگر اکثر شہر کے لوگوں نے یونہی عید کی اور سو پچاس نے خلاف کیا اور دوسرے دن نمازِ عید پڑھی تو حق پر کون ہے، کثیر یا قلیل؟

## جوابات

(۱) رؤیت ہلال میں تار اور خط اصلاً معتبر نہیں، تار کی حالت تو خط سے بھی نہایت ردی ہے کہ وہ نہ مرسل کے ہاتھ کا لکھا ہوتا ہے نہ اُس پر اُس کے دستخط ہوتے ہیں نہ اُس کی مُہر ہو سکتی ہے اور ذرائع وصول مجاہیل بلکہ اکثر کفّار ہوتے ہیں اور خط ان سب وجوہ سے اُس پر فائق ہو سکتا ہے باایں ہمہ تمام کتبِ مذہب میں تصریح ہے کہ خط کا اعتبار نہیں، نہ اس پر عمل ہو سکے کہ خط خط کے مثل ہوتا ہے اور مُہر مُہر کی مثل بن سکتی ہے۔ اشباہ میں ہے: لایعتمد علی الخط لایعمل بہ۔[1] (خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے گا اور نہ ہی عمل۔ت) ہدایہ میں ہے: الخط یشبہ الخط فلا یحصل العلم۔[2] (تحریر تحریر کے مشابہ ہوتی ہے تو اس سے علم یقینی حاصل نہ ہو گا۔ت) عالمگیریہ میں ہے: الکتاب قد یزور ویفتعل والخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔[3] (تحریر

میں جُھوٹ اور جعل سازی ہوسکتی ہے۔ خط خط کے اور مُہر مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے۔ت) اس مسئلہ کی پوری تفصیل ہمارے رسالہ ''ازکی الھلال بابطال ما احدث الناس فی امرالھلال'' میں ہے۔

(۲) ثبوتِ ہلال کے لیے ضرور ہے کہ یا تو رؤیت پر عینی شہادت ہو یا عینی شاہدوں نے جن شاہدوں کو حسب شرائطِ شرعیہ اپنی شہادت کا حامل کیا ہو اُن کی شہادت شہادت پر ہو یا حاکم شرعی کے حکم شرعی پر شہادت بروجہ شرعی ہو یا شرائط معتبرہ فقہیہ کے ساتھ کتاب القاضی الی القاضی ہو یا جس شہر میں قاضیِ شرع ہو اور اس کے حکم سے وہاں روزہ عید ہُوا کرتے ہیں وہاں سے لوگ گروہ کے گروہ آئیں اور بالاتفاق اُس حاکمِ شرع کا حکم بیان کریں، اور ان میں سے کُچھ نہ ہو تو اخیر درجہ تیس ۳۰ کی گنتی پُوری کرنا ہے یعنی جب اگلے مہینہ کی رؤیت ہولی یا کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہُوئی اور اس مہینے ۲۹ کو رؤیت نہ ہُوئی تو تیس دن پُورے ہوکر ہلال خواہی نخواہی ہوگا کہ شرعی مہینہ تیس ۳۰ سے زائد نہیں ہوسکتا، ان طریقوں اور ان کی شرائط کا مفصّل اور مدلّل بیان ہمارے رسالہ ''طرق اثباتِ ہلال'' میں ہے۔

(۳) اخباروں کا صرف تاریخ لکھنا تو کوئی چیز نہیں، اخباروں میں اگر رؤیت کی خبر چھپے تو وہ بھی محض نامعتبر ہے کہ نہ شہادت علی الرؤیۃ ہے، نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی الحکم، پھر اخبار نہیں مگر ایک خط اور اُوپر گزرا کہ ان امور میں خط اصلاً معتبر نہیں، خصوصاً اخباری دُنیا کہ بے سروپا اُڑانے میں ضرب المثل ہے۔

(۴) یہ حکم بارہ مہینے کے لیے ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک بار دسوں انگشتانِ مبارک تین دفعہ اٹھاکر فرمایا: الشھرھکذاوھکذا وھکذا[۴] مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے، یعنی تیس ۳۰ دن کا۔ اور ایک بار دسوں انگشت مبارک تین دفعہ اٹھائیں مگر اخیر میں ایک انگشت مبارک بند فرماکر فرمایا: الشھرھکذا وھکذا وھکذا[۵] مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی ۲۹ دن کا۔ تو کوئی قمری عربی مہینہ کہ یہی شریعتِ مطہرہ میں معتبر ہیں نہ ۲۹ دن سے کم ہوسکتا ہے نہ تیس ۳۰ سے زائد، جس مہینے کی رؤیت کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوا اور اس کی ۲۹ کو رؤیت نہ ہو تو ۳۰ پُورے کرکے خواہی نخواہی دوسرے مہینے کا ہلال ہے۔

(۵) شریعتِ مطہرہ میں جنتری کا حساب اصلاً معتبر نہیں، درمختار میں ہے: وقول اولی التوقیت لیس بموجب[۶] (اہل توقیت کا قول سببِ وجوب نہیں بن سکتا۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب[۷] (ہم بظاہر اَن پڑھ ہیں: نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ت)

یہ ان کے بارے میں ہے جو واقعی ہیئت داں تھے، نہ کہ آج کل کے جنتری والے جنہیں ہیئت کی ہوا بھی نہیں لگی، بڑے بڑے نامی جنتری دانوں کی نہایت واضح تقاویم شمسیہ میں وُہ اغلاط فاحشہ دیکھے ہیں کہ مدہوش کے سوا دوسرے سے متوقع نہیں تا بہ حساب ہلال چہ رسد حسابِ ہلال وُہ دشوار چیز ہے جہاں اہلِ ہیئت کے مسلم امام بطلیموس نے گھٹنے ٹیک دیے۔ محبسطی میں ظہور و خفائے کواکب و ثوابت تک کے لیے باب وضع کیا اور ظہورِ ہلال کو ہاتھ نہ لگایا۔

(۶) ایسی صورت میں نہ شب کو تراویح پڑھنی جائز، نہ صبح کو روزۂ رمضان رکھنا حلال، اما الثانی فللحدیث واما الاول فللتداعی فی النفل (دوسرا حدیث کی وجہ سے اور پہلا نفل کی طرف تداعی کی وجہ سے منع ہے۔ت) بلکہ اگر جماعت نہ کریں اکیلے ہی بیس ۲۰ رکعتیں پڑھیں اور تراویح کی نیت کریں جب بھی شرع مطہر پر زیادت کرنے والے ہوں گے کہ تراویح شرع مطہر نے شب ہائے رمضان میں رکھی ہیں اور یہ رات اُن کے لیے شبِ رمضان نہیں۔

(۷) یہ محض بے اصل ہے اور تجربہ بھی اس کے خلاف پر شاہد، اور اس پر اعتماد شرعاً ہرگز جائز نہیں، والمسئلۃ فی البزازیۃ وخزانۃ المفتین وغیرھما (یہ مسئلہ بزازیہ اور خزانۃ المفتین وغیرہ میں ہے۔ت) تمام قیاسات وحسابات و قرائن کہ عوام میں مشہور ہیں شرعاً باطل و مہجور ہیں صرف انھی طریقوں پر اعتماد جائز ہے جو جوابِ سوال دوم گزرے اور ہمارے رسالہ ''طرق اثباتِ ہلال'' میں مفصل مذکور ہیں وبس۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸) فقط اتنی خبر پر عید کرنا حرام ہے۔ فتح القدیر و بحرالرائق و عالمگیری میں ہے: لو شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ قد راؤا ھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یرھؤلاء الھلال لایباح فطر غد ولاترك التراویح فی ھذہ اللیلۃ

لانهم لم يشهدوا بالرؤية ولا شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم۔[۸] واللہ تعالیٰ اعلم۔ اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہلِ شہر نے تم سے پہلے ایک دن رمضان کا چاند دیکھا، اور انہوں نے روزہ رکھا، ان کے حساب سے آج کا دن تیسواں ہے جبکہ خود ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تھا تو ان کو آئندہ دن کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس رات کی تراویح کو ترک کرنا مباح ہوگا کیونکہ گواہوں کی چاند کی رؤیت پر گواہی نہیں، اور نہ غیر کی شہادت پر گواہی ہے بلکہ اُنہوں نے صرف غیر کی رؤیت حکایت کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت)

(۹) جب تک رؤیت نہ ہو یا ثبوت صحیح شرعی سے ثابت نہ ہو ہر مہینہ تیس کا لیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فان غم عليكم فاكملوا العدّة ثلاثين۔[۹] چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس ۳۰ کی گنتی پُوری کرو (ت)

یہ قاعدہ کہ ایک مہینہ ۳۰ اور ایک ۲۹ کا محض باطل ہے جس کے بطلان پر مشاہدہ شاہد عادل ہے۔ کئی کئی مہینے متواتر ۳۰ کے ہو جاتے ہیں، کئی کئی ۲۹ کے اور علمِ ہیئت کی رُو سے ۴ مہینے پے در پے ۳۰ کے ہو سکتے ہیں اور تین ۲۹ کے، كماهو مصرح به فى الزيجات القديمة والجديدة و شروحها واحالوه على التجربة والا ستقراء ومنهم من تكلف بيانه بالا ستدلال ولم يتم۔ جیسا کہ قدیم و جدید زائچوں اور ان کی شروح میں اس پر تصریح ہے اور انہوں نے اسے تجربہ اور تتبع کے سپرد کر دیا ہے بعض نے استدلال کرنے کی کوشش کی وُہ کامیاب نہ ہو سکے۔ (ت)

شریعت مطہرہ میں ہیئت والوں کی اس تحدید استقرائی کا بھی اعتبار نہیں۔ ثبوت شرعی سے اگر ۴ مہینے لگا تار ۲۹ کے ہوں تو مانے جائیں گے، اور مثلاً چھ مہینے متواتر روزِ ہلال ابر رہے اور ثبوت نہ ہو تو سب مہینے ۳۰ کے لیے جائیں گے لان الثابت لايزول بالشك (کیونکہ ثابت شدہ شئے کا زوال شک سے نہیں ہوتا۔ت) جن لوگوں نے ایک مہینہ ۳۰ ایک ۲۹ کا لے کر عید کر لی اُن کی وہ عید اور نماز سب باطل ہُوئی اور ان پر چار گناہ رہے:

**اوّل:** گناہ عظیم روزہ رمضان کا عمداً ترک کہ وُہ اُن کے لیے رمضان تھا۔

**دوم:** نفل کا بجماعتِ کثیرہ پڑھنا کہ وُہ نمازِ عید کہ اُنہوں نے پڑھی نمازِ عید نہ تھی نافلہ محضہ ہُوئی اور نفل کا جماعت کثیر کرکے پڑھنا گناہ۔

**سوم:** واجب نماز عید کا ترک کہ دُوسرے دن اُن کے لیے عید تھی اُس دن نماز نہ پڑھی۔

**چہارم:** شریعت میں دل سے نیا حکم گھڑنے کا وبال شدید سب سے علاوہ، اگرچہ بعد کو تحقیق ہو جائے کہ جس دن انھوں نے نماز پڑھی واقعی اسی دن عید تھی، اگرچہ وہ سارا شہر ہو اور جنہوں نے تیس تیس کی گنتی پُوری کرکے عید کی اُن کی عید اور نماز سب صحیح ہُوئی اور وہ ان سب گناہوں سے بچے، اگرچہ بعد کو تحقیق ہو کہ عید ایک دن یا دو ۲ دن پہلے تھی اگرچہ صرف یہ دو ۲ ہی شخص ہوں۔

## ماخذ و مراجع


۱۔ الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸۔

۲۔ ہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۳/ ۱۵۷۔

۳۔ فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی، نورانی کتب خانہ، پشاور، ۳/ ۳۸۱۔

۴۔ صحیح بخاری باب اذارأیتم الہلال فصوموا، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/۲۵۶۔

۵۔ صحیح بخاری باب اذارأیتم الہلال فصوموا، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/۲۵۶۔

۶۔ درمختار کتاب الصوم، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱/ ۱۴۸۔

۷۔ صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانکتب الخ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/۲۵۶، (سنن ابی داؤد، باب الشہر یکون تسع و عشرین، آفتابِ عالم پریس، لاہور، ۱/ ۳۱۷)۔

۸۔ فتاوٰی ہندیہ، الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال الخ، نورانی کتب خانہ، پشاور، ۱/ ۱۹۹۔

۹۔ سنن دار قطنی کتاب الصیام، حدیث ۲۶، نشر السنۃ، ملتان، ۲/ ۱۶۲۔


(ماخوذ: فتاوٰی رضویہ، جلد ۱۰، ص ۳۷۸ تا ۳۸۲)

○○○○○

ترتیب و پیشکش: **فرحان احمد قادری**

امام احمد رضا مرجع خواص و عوام تھے۔ آپ کے زمانے کے علما و مشائخ، والیانِ ریاست و جج صاحبان آپ کی طرف کثیر مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اپنے روزمرّہ کے معاملات میں آپ سے شرعی احکام معلوم کرتے۔ معارف رضا میں ان فتاویٰ کو پیش کرنے کے لیے "جانیے" کے عنوان سے سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس ماہ کا انتخاب فتاویٰ رضویہ کی جدید جلد ۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بطورِ حوالہ متعلقہ صفحہ نمبر (قوسین) میں درج کر دیا گیا ہے۔ (عبید)

## امر بالمعروف (نیکی کے حکم) کی اقسام

امر بالمعروف کی متعدد قسمیں ہیں، اگر کوئی اپنے غالب گمان کی بنا پر سمجھتا ہے کہ اگر اس نے امر بالمعروف کیا تو لوگ اس کی بات تسلیم کریں گے اور گناہ سے باز آجائیں گے تو ایسی صورت میں اس پر امر بالمعروف واجب ہوتا ہے یعنی اسے ترک کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے امر بالمعروف کا الٹا اثر ہو گا، لوگ الزام تراشی اور گالی گلوچ سے کام لیں گے تو اس صورت میں امر بالمعروف نہ کرنا افضل ہے۔ اسی طرح اگر جانتا ہے کہ امر بالمعروف کرنے کی صورت میں لوگ زدو کوب کریں گے اور یہ اسے برداشت نہیں کر سکے گا اور باہمی عداوت وخانہ جنگی کی صورت پیدا ہو جائے گی تو ایسی صورتِ حال میں بھی امر بالمعروف کا ترک کر دینا افضل ہے اور اگر اسے معلوم ہے کہ لوگ مشتعل ہو کر اسے اذیّت پہنچائیں گے مگر وہ صبر کر لے گا اور سختی برداشت کر لے گا اور کسی سے شکوہ شکایت نہیں کرے گا تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسی صورتِ حال میں اس کا عمل ایک مجاہد کا سا عمل متصوّر ہو گا، اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ لوگ اس کی بات تو نہیں مانیں گے البتہ کسی سخت رَدِّ عمل کا اظہار بھی نہیں ہو گا (یعنی نہ ماننے کے باوجود مار پٹائی اور گالی گلوچ سے کام نہیں لیں گے) تو اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ امر بالمعروف سے کام لے یا نہ لے؛ البتہ یہاں امر بالمعروف افضل ہے۔ (صفحہ: ۱۶۱، ۱۶۲)

## ناجائز کام کو دیکھنا

ناجائز کام کو بطورِ تماشہ دیکھنا بھی حرام لان ماحرم فعلہ حرم التفرج علیہ (اس لیے کہ جس کام کا کرنا حرام ہے، اس پر خوشی منانا بھی حرام ہے۔) اور بچوں کو دکھانے کا بھی گناہ اسی پر ہے کما فی الاشباہ وغیرہ (جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔) اور عورتوں کو ایسے جلسوں میں جانے کی اجازت دِینی حرمت کے سوا سخت بے حرمتی اور نہایت بے غیرتی بھی ہے وفی الخلاصۃ والدر وغیرھما ان اذن کانا عاصیین (خلاصہ، در مختار اور ان دو کے علاوہ دوسری کتبِ فقہ میں مرقوم ہے، اگر مرد نے (اپنی اہلیہ کو ناجائز کام کی) اجازت دی تو میاں بیوی دونوں گنہگار ہوں گے۔ت) اور اس کو ثواب سمجھنا گناہ کے علاوہ فسادِ عقیدہ بھی ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ، (صفحہ: ۱۷۲)

## عالم کے وعظ کا حکم

عالمِ دین کا امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) و نہی عن المنکر (برائیوں سے منع کرنا) بندگانِ خدا کو دینی نصیحتیں کرنا جسے وعظ کہتے ہیں ضرور اعلیٰ فرائضِ دین سے ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔ یعنی تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں حکم دیتے ہو بھلائی کا اور منع کرتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ (القرآن الکریم)

اور فرماتا ہے: ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون o یعنی لازم ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا رہے کہ نیکی کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (القرآن الکریم) اور فرماتا ہے: وذکر فان الذکرٰی تنفع المؤمنین۔ یعنی وعظ کہتا رہ کہ وعظ مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔ (القرآن الکریم)

## حاضرین کا وعظ سننا

حاضرین کا ادب وخاموشی ورجوع قلب کے ساتھ اسے سنتے رہنا بھی مذہبی عبادت اور دینی فرض ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔ یعنی خوشخبری دے میرے ان بندوں کو جو متوجہ ہو کر بات سنتے پھر اس کے بہتر پر عمل کرتے ہیں۔ (القرآن الکریم)

وعظ میں دست اندازی کرنا غل مچانا گالیاں بکنا ضرور مذہبی توہین اور خاص عادتِ کفارِ بے دین ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: وقال الذین کفروا لاتسمعوا لھذا القراٰن والغوافیہ لعلکم تغلبون۔ یعنی کافر بولے اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے میں غل شور کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔ (القرآن الکریم)

شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی برادر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب موضح القرآن میں اس آیت کے نیچے لکھتے ہیں: یہ جاہلوں کا زور ہے شور مچا کر سننے نہ دینا۔ (تفسیر موضح القرآن بر ترجمہ شاہ رفیع الدین) اور فرماتا ہے: فما لھم عن التذکرۃ معرضینo کانھم حمر مستنفرۃ o فرت من قسورۃ o یعنی انہیں کیا ہوا وعظ سے منہ پھیرے ہیں گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں کہ شیر سے بھاگے ہیں۔ (القرآن الکریم)

وعظ سے روگردانی تو شیر سے گدھے کا بھڑکنا ٹھہرے اس پر غل مچانا گالیاں بکنا کیا چاند پر کتوں کا بھونکنا نہ ہوگا۔ وعظ تو وعظ کہ وہ بنصِ صریح قرآنِ مجید فرضِ مذہبی ہے کتبِ دینیہ میں تصریح ہے کہ ہر خطبے حتی کہ خطبۂ نکاح وخطبۂ ختم قرآن کا سننا بھی فرض ہے اور ان میں غل کرنا حرام حالانکہ خطبۂ نکاح صرف سنّت ہے اور خطبۂ ختم نرا مستحب۔ (صفحہ: ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰)

## مریض نے دوا نہ کی اور مر گیا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

اس بات میں صدیقِ اکبر اور دیگر ائمۂ متوکلین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرز عمل (دلیل) ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے: کھانا کھانے پر قدرت رکھنے کے باوجود کوئی شخص اگر کھانا نہ کھائے اور بوجہ بھوک ہلاک ہو جائے تو گنہگار ہوگا۔ جیسا کہ ائمۂ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ کیونکہ علاج سے حیات یقینی نہیں، بلکہ ایک ظنّی چیز ہے؛ اللہ تعالیٰ پاک وبرتر خوب جانتا ہے اور اس عظمت وشان والے کا علم مکمل اور پائدار ہے۔ (صفحہ: ۱۷۷، ۱۷۸)

## طوائف مریضہ اگر مطب میں آئے تو اس کا علاج کرنا

## معصیت ہے یا نہیں؟

اگر معالجہ زنِ فاحشہ سے طبیب خود یہی نیّت کرے کہ یہ ارتکابِ معاصی کے قابل ہو جائے ناسازیِ طبیعت کہ مانعِ گناہ ہے زائل ہو جائے جب تو اس کے عاصی ہونے میں کلام نہیں۔ فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتّوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیّت کی (صحیح البخاری)

اور اگر اس کی یہ نیّت نہیں بلکہ عام معالجے جس نیّتِ محمودہ یا مباحہ سے کرتا ہے وہی غرض یہاں بھی ہے تو اگر مرض ایذا دہندہ ہے جیسے کہ اکثر امراض یونہی ہوتے ہیں جب تو اصلاً حرج نہیں، نہ اسے اعانت معصیت سے علاقہ بلکہ نفع رسانیِ مسلمہ، یا دفعِ ایذائے انسان کی نیّت ہے تو اجر پائے گا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی کل کبد حرّاء اجر۔ (حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) ہر جگرِ گرم یعنی ہر جاندار کی نفع رسانی میں ثواب ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور اگر مرض سے کوئی ایذا نہیں صرف موانع زنا سے ہے جس کے سبب اس کا معالجہ ایک زانیہ عورت کے لیے کوئی نفع رسانی نہ ہوگا بلکہ زنا کا راستہ صاف کرے گا مثلاً عارضہ رتق یا شدّت وسعت (نہ بوجہ سیلان رطوبت) کہ فی نفسہٖ موذی نہیں مگر اس کا اشتہاء باعث سردی بازار زنان زناکار ہے۔ ایسے معالجہ کو جب کہ امورِ مذکورہ پر طبیب مطلع ہو اگرچہ بر قیاس قول صاحبین من وجہ اعانت کہہ سکیں مگر مذہب امام رضی اللہ عنہ پر یہ بھی داخل ممانعت نہیں کہ یہ تو پاک نیّت سے صرف اس کا علاج کرتا ہے؛ گناہ کرنا نہ کرنا اس کا اپنا فعل ہے۔ جیسے راج کا گرجا یا شوالہ بنانا یا مکان رنڈی زانیہ کو کرایہ پر دینا۔ فتاویٰ قاضیخان میں ہے کہ اگر کوئی مزدور گرجے کی تعمیر اور آبادی کے لیے کام کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نفسِ عمل میں کوئی گناہ نہیں۔ (صفحہ: ۱۷۸، ۱۷۹)

## سات کے عدد کی تاثیر

سات کے عدد کو دفعِ ضرر وآفت میں ایک تاثیرِ خاص ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے مرضِ وصال شریف میں فرمایا مجھ پر سات مشکوں سربستہ کا پانی ڈالو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب میرے گھر تشریف لائے تو آپ کے مرض میں اضافہ ہوگیا۔ فرمایا مجھ پر ایسے سات

مشکیزوں کا پانی بہاؤ کہ جن کے بندھن نہ کھولے گئے ہوں (سربستہ مشکیزے ہوں) شاید میں لوگوں سے کوئی عہد لوں۔ (صحیح البخاری)

مواہب شریف میں ہے: کہا گیا کہ اس سات کے عدد میں حکمت اور راز یہ ہے کہ اس کو زہر اور جادو کا نقصان زائل کرنے میں خاص تاثیر ہے۔ (المواہب اللدنیہ)

شرح زرقانی میں فتح الباری سے ہے: حدیث پاک سے ثابت ہے کہ جو کوئی صبح سویرے سات عجوہ کھجوریں کھالے تو اسے اس دن زہر اور جادو سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ نسائی شریف میں ہے کہ مصیبت زدہ پر سات مرتبہ فاتحہ پڑھی جائے، اس کی سند صحیح ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ جس کو درد کا عارضہ ہو اس پر یہ کلمات سات مرتبہ پڑھے جائیں: اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ یعنی اللہ تعالیٰ کی عزت اور اس کی قدرت سے پناہ لیتا ہوں اس کے شر سے جس کو میں پاتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں (چوکنّا رہتا ہوں)۔ سنن نسائی شریف میں ہے کہ جو کوئی ایسے مریض کے پاس، جس کی موت مقدر نہ ہو، ان الفاظ سے سات دفعہ دعا کرے تو وہ صحت یاب ہو جائے گا، کلمات یہ ہیں: اسأل الله العظیم ربّ العرش العظیم ان یشفیك یعنی میں اللہ عظمت والے سے سوال کرتا ہوں جو بڑے عرش کا مالک ہے کہ وہ تجھے شفا عطا فرمائے۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ)۔ (صفحہ: ۱۸۳، ۱۸۴)

## مصنوعی دانت لگانے کا حکم

بنے ہوئے دانت لگانے میں حرج نہیں۔ طاہر قدوس عزّ جلالہ نے ہر چیز اصل میں پاک بنائی ہے جب تک کسی شے میں کسی نجاست کا خلط ثابت نہ ہو پاک ہی مانی جائے گی۔ ردالمحتار میں ہے: کسی چیز کی نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ اس کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ (صفحہ: ۱۹۴)

## سونے کا مصنوعی تالو یا ناک لگوانے کا حکم

سونے کا تالو عورتوں کو مطلقاً جائز ہے اور مردوں کو بضرورت یعنی جبکہ سونے میں کوئی خصوصیت محتاج الیہا ایسی ہو کہ چاندی وغیرہ سے حاصل نہ ہو سکتی ہو، ورنہ دوسری دھات اختیار کریں چاندی کی حاجت ہو تو وہ ورنہ ایلومینیم یا جو مناسب ہو۔

در مختار میں ہے: ہلنے والے دانت کو سونے کے تاروں سے مضبوط نہ کیا جائے بلکہ چاندی استعمال کی جائے، ہاں البتہ سونے کی مصنوعی ناک بنا کر لگائی جاسکتی ہے کیونکہ چاندی میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے اور اس کا مباح ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے کیونکہ چاندی سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور اس کا استعمال بنسبت سونے کے قریب ہے، لہٰذا سونا اپنی حرمت پر باقی رہے گا، اور یہ ضرورت ناک لگانے میں بغیر سونے کے پوری نہیں ہو سکتی (لہٰذا سونے کی مصنوعی ناک لگانا جائز ہے) کیونکہ سونے کے علاوہ باقی دھاتوں میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ (صفحہ: ۱۹۵)

## اہلِ ہنود سے بیماری کی دوا کرانا کیسا ہے؟

طبیب اگر کوئی ناجائز چیز دوا میں بتائے جب تو جائز نہیں اگرچہ طبیب مسلمان ہو اور جائز چیز میں حرج نہیں اگرچہ کافر ہو مگر ہندوؤں کی طلب عقلی اصول کے خلاف اور اکثر مضر ہوتی ہے لہٰذا بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (صفحہ: ۱۹۶)

## عملیات یعنی تعویذات وغیرہ کتابوں سے کرنے کا حکم

عملیات و تعویذ اسمائے الٰہی و کلامِ الٰہی سے ضرور جائز ہیں جبکہ ان میں کوئی طریقہ خلافِ شرع نہ ہو۔ مثلاً کوئی لفظ غیر معلوم المعنیٰ جیسے حفیظی، رمضان، کعسلہون اور دعائے طاعون میں طاسوسا، عاسوسا، ماسوسا، ایسے الفاظ کی اجازت نہیں جب تک حدیث یا آثار یا اقوالِ مشائخ معتمدین سے ثابت نہ ہو، یونہی دفعِ صرع وغیرہ کے تعویذ کہ مرغ کے خون سے لکھتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے اس کے عوض مشک سے لکھیں کہ وہ بھی اصل میں خون ہے، (صفحہ: ۱۹۶)

## محبت و تسخیر و عداوت کے لیے تعویذات کا حکم

یونہی حب و تسخیر کے لیے بعض تعویذات دروازہ کی چوکھٹ میں دفن کرتے ہیں کہ آتے جاتے اس پر پاؤں پڑیں یہ بھی ممنوع و خلافِ ادب ہے، اسی طرح وہ مقصود جس کے لیے وہ تعویذ یا عمل کیا جائے اگر خلافِ شرع ہو، ناجائز ہو جائے گا۔ جیسے عورتیں تسخیر شوہر کے لیے تعویذ کراتی ہیں، یہ حکمِ شرع کا عکس ہے۔ اللہ عزّ وجل نے شوہر کو حاکم بنایا ہے اسے محکوم بنانا عورت پر حرام ہے۔ یونہی تفریق وعداوت کے عمل و تعویذ کہ محارم میں کیے جائیں، مثلاً بھائی کو بھائی سے جدا کرنا یہ قطعِ رحم ہے اور قطعِ رحم حرام، یونہی زن و شوہر میں نفاق ڈلوانا۔ حدیث میں فرمایا: جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ (سنن ابی داؤد) بلکہ مطلقاً دو مسلمانوں میں تفریق بلاضرورت شرعی ناجائز ہے۔ حدیث میں فرمایا: (لوگو) ایک دوسرے سے عداوت

نہ رکھواور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشادِ گرامی تک "اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ"۔ (صحیح البخاری) غرض نفس عمل یا تعویذ میں کوئی امر خلافِ شرع ہو یا مقصود میں تو ناجائز ہے، ورنہ جائز بلکہ نفع رسانیِ مسلم کی غرض سے محمود و موجبِ اجر۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم میں جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو کوئی نفع پہنچائے تو پہنچائے۔ (صحیح مسلم)۔ (صفحہ:۱۹۶،۱۹۷)

## بچے کو سلانے کے لیے افیون دینے کا حکم

بچے کو سلانا یا رونے سے باز رکھنے کے لیے افیون دینا حرام ہے اور اس کا گناہ اس دینے والے پر ہے بچے پر نہیں، ماحرام اخذہ حرام اعطاؤہ (جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے) (صفحہ:۱۹۸)

## مرض چیچک کے دفاع اور ازالہ کے لئے انجکشن لگوانے کا حکم

مرضِ چیچک کے دفاع اور ازالے کے لیے انجکشن لگوانا باذن اللہ تعالیٰ نفع بخش ہے، اسی طرح ایسی دوا استعمال کرنا یا طریقہ اپنانا جو بظاہر تکلیف دہ بھی ہو شرعاً منع نہیں جیسا کہ جسم پر گل یعنی داغ لگوانا وغیرہ، ہاں البتہ اصحاب توکل کے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں، چنانچہ حدیث پاک میں کچھ محبوب بندوں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ ایسے مقربانِ بارگاہ ہیں کہ دم اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے نہ داغ لگواتے ہیں اور نہ بد شگونی لیتے ہیں بلکہ اپنے پروردگار پر مکمل بھروسا رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ان پاک لوگوں میں شامل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ پاک برتر اور سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ (صفحہ:۱۸۸)

## شیرینی یا کھانا فقرا و اقارب واحباب کو کھلانے کا حکم

شیرینی یا کھانا فقرا کو کھلائیں تو صدقہ ہے اور اقارب کو تو صلہ رحم اور احباب کو تو ضیافت، اور یہ تینوں باتیں موجبِ نزولِ رحمت و دفعِ بلا و مصیبت ہیں۔ ابو یعلیٰ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بیشک صدقہ اور صلہ رحم ان دونوں سے اللہ تعالیٰ عمر بڑھاتا ہے اور بری موت کو دفع فرماتا ہے اور مکروہ و اندیشہ کو دور کرتا ہے۔ (مسند ابی یعلیٰ) ابو الشیخ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مہمان اپنا رزق لے کر آتا ہے اور کھلانے والے کے گناہ لے کر جاتا ہے اور ان کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ (کشف الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ) نیز امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی کہ وہ فرماتے ہیں: بیشک یہ بات کہ میں اپنے بھائی سے ایک گروہ کو جمع کر کے دو ایک صاع کھانا کھلاؤں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ تمہارے بازار میں جاؤں اور ایک غلام خرید کر آزاد کر دوں۔ (الادب المفرد)۔ (صفحہ:۱۸۵)

## مرد اپنی زوجہ کا جنازہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

مرد اپنی زوجہ کا جنازہ اٹھا سکتا ہے۔ (صفحہ:۲۰۰)

## عورتوں کا کرتی پہننے کا حکم

عورت اگر صرف محارم کے سامنے ہوتی ہو، اور ایسی کرتی پہنے جس میں ہاتھ سب کھلے رہتے ہیں مگر پیٹ ڈھکا ہو خواہ اس کرتی یا دوسرے کپڑے سے، اور نماز کے وقت بازو کلائیاں وغیرہ ستر پورا چھپا رہتا ہو تو ایسی عورت کو وہ کرتی پہننا جائز ہے اور اسے ترغیب تبدیل کی حاجت نہ تھی اور اگر عورت کسی نامحرم کے سامنے بھی ہوتی ہے اور وہی کرتی پہنتی ہے اور بدن اور کپڑے سے نہیں چھپاتی یا محارم کے سامنے پیٹ کا کچھ حصّہ کھلا رہتا ہے یا نماز میں بازو یا کلائی کا کوئی حصہ تو بلا شبہہ عورت سخت گنہگار ہے۔ (صفحہ:۱۷۵)

## اسقاطِ حمل کا حکم

جان پڑ جانے کے بعد اسقاطِ حمل حرام ہے، اور ایسا کرنے والا گویا قاتل ہے، اور جان پڑنے سے پہلے اگر کوئی ضرورت ہے تو حرج نہیں۔ (صفحہ:۲۰۷)

## کھانے پر فاتحہ شریف یا کوئی آیت قرآن کی پڑھ کر دم کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کس طرح سے پڑھنا چاہیے؟

بہ نیّتِ شفا سورۂ فاتحہ یا اور کوئی آیت پڑھ کر دم کی جائے تو حرج نہیں مگر اس کھانے کی احتیاط اور دوچند ہو جائے گی کہ اس کا کوئی دانہ یا قطرہ گرنے نہ پائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (صفحہ:۲۰۱)

✷ ✷ ✷ ✷ ✷

### سانحہ ارتحال

دنیائے رضویت میں یہ خبر انتہائی دکھ سے سنی جائے گی کہ ماہر رضویات ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی بلرامپوری مورخہ ۱۶ اگست کو بریلی شریف میں انتقال فرما گئے۔ تفصیل اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

# امام احمد رضا خاں حنفی اور مسجد کا سائل

حامد علی علیمی (ریسرچ اسکالر، جامعہ کراچی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔
رَبِّ ارْحَمْ مَنْ اَنْصَفَ وَاهْدِ عَنِیْدًا خَالِفاً

## ابتدائیہ

آج کل کم علمی اور علمِ دین سیکھنے سے دوری کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بہت سی غلط باتیں مشہور ہو گئی ہیں۔ جو باتیں بیان کی جاتی ہیں اس کی ممکنہ تین صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ وہی بات یا دینی مسئلہ، مستند ذرائع سے سن کر بعینہٖ دوسروں تک پہنچا دینا، اس میں کسی قسم کی ممانعت نہیں، دوسری صورت یہ کہ کوئی بات یا دینی مسئلہ مستند ذرائع سے سُنا اور دوسروں تک اپنے مفہوم و معنوں میں پہنچا دیا، اگر اس صورت میں مفہوم و معنیٰ بتانے میں کوئی چیز اپنی طرف سے اضافہ کر کے نہیں بتائی تو درست ہے اور اگر اپنی طرف سے اس میں کوئی چیز شامل کر کے بتائی جیسا کہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے تو یہ درست نہیں اور یہ طرزِ عمل فتنہ و فساد کا سبب بن جاتا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ بے پڑھے یا مستند ذرائع سے سُنے بغیر کوئی بات یا دینی مسئلہ کسی کی طرف منسوب کر کے بتانا، یہ بہت خطرناک عمل ہے اور شاید معاشرے میں اَبتری کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

حالت یہ ہے کہ بس "فتاویٰ رضویہ" یا اور کسی تصنیفِ امام میں جو دیکھا بے دھڑک اسے آگے بیان کر دیا؛ نہ سیاق دیکھا نہ سباق، آدھی بات اپنے مطلب کی لی اور بس، یا تصویر کا ایک رُخ دکھایا اور دوسرا چھپا دیا، یا اسے کبھی دیکھا ہی نہیں محض حافظہ یا سُننے پر اکتفا کیا، یا ایک مسئلے پر اتنے متشدد ہوئے کہ امام احمد رضا کے بتائے ہوئے دوسرے احکام و مسائل بھول گئے، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسا غیر معتدل رویہ ترک کرنے کو بھی تیار نہیں، سمجھائے نہیں سمجھتے بلکہ ناراضگی کا اظہار کرنے لگتے ہیں گویا یوں کہنا چاہتے ہیں۔

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے
اس کو دشمن جانتا ہوں جو مجھے سمجھائے ہے

## توضیحِ مسئلہ

مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ "وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ" (اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا) لہٰذا دین کا درد رکھنے والوں سے کچھ دل کا حال پیش کر دیا جائے اور اگر اس کے سمجھنے میں کچھ غلطی ہوئی ہو تو اس کی اصلاح ہو سکے۔ ایک مسئلہ "مسجد کے سائل" کو دینے یا نہ دینے کا ہے۔ اس تحریر میں ہم امام اہلسنت امام احمد رضا خاں حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کے ساتھ ساتھ دیگر کتب کے حوالوں سے اس مسئلے کو پیش کریں گے تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو۔

## منگتا اور اُسے دینا

شریعتِ مطہرہ نے اپنی حاجت کے لیے کسی دوسرے سے مانگنے کو مطلقاً منع نہیں فرمایا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پرہیز گار مؤمنوں کی صفات میں سے ایک صفت یوں ارشاد فرمائی کہ وہ مانگنے والوں کو دیتے ہیں، چنانچہ سورۂ معارج آیت ۲۴ ۔ ۲۵ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ (24) لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (25)﴾ ترجمہ: "اور وہ جن کے مال میں ایک معلوم حق ہے، اس کے لیے جو مانگے اور جو مانگ بھی نہ سکے تو محروم رہے"۔ "خزائن العرفان" میں اس کے تحت فرمایا: "یعنی دونوں قسم کے محتاجوں کو دے، انہیں بھی جو حاجت کے وقت سوال کرتے ہیں اور انہیں بھی جو شرم سے سوال نہیں کرتے اور ان کی محتاجی ظاہر نہیں ہوتی"۔ نیز سورۂ ذاریات آیت: ۱۹ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (19)﴾ ترجمہ: "اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا"۔ "خزائن العرفان" میں اس کے تحت فرمایا: "منگتا تو وہ جو اپنی حاجت کے لیے لوگوں سے سوال کرے اور محروم وہ کہ حاجت مند ہو اور حیاءً سوال بھی نہ کرے"۔

نیز امام احمد رضا خاں حنفی رحمۃ اللہ علیہ "فتاویٰ رضویہ" جلد ۱۰، ص ۳۰۳،

میں ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"بے ضرورتِ شرعی سوال کرنا حرام ہے اور جن لوگوں نے باوجود قدرتِ کسب بلا ضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کر لیا ہے وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک وخبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر اُن کے سوال پر کچھ دینا داخل ثواب نہیں، بلکہ ناجائز و گناہ اور گناہ میں مدد کرنا ہے۔۔۔ الخ۔" نیز ص ۳۰۵ پر فرماتے ہیں: "۔۔۔ غرض یہ کہ سوائے سوال جمیع اسباب بند ہوں تو بحکمِ ضرورت بقدرِ ضرورت سوال حلال ورنہ حرام، فَاِنَّ الضَّرُوْرَۃَ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ وَمَا کَانَ لِضَرُوْرَۃٍ تقدّرھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔" تفصیل کے لیے دیکھئے "فتاویٰ رضویہ" جلد ۲۱، ص ۳۰۹۔ ۳۱۴۔

مسجد کے سائل کے مسئلہ میں مختلف ممکنہ صورتوں کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے، مثلاً مسجد میں مانگنے والا سائل: (۱) یا تو اپنی ذات کے لیے سوال کرے گا (۲) یا دوسرے کے لیے (۳) پھر یا تو اسے مسجد میں ہی دیا جائے گا (۴) یا مسجد سے باہر (۵) یا کبھی سائل کو بن مانگے ہی مسجد (۶) یا مسجد سے باہر دیا جائے گا۔ اگر چھ صورتوں کو آپس میں ضرب دیں تو مزید کئی صورتیں بن سکتی ہیں۔

## مذکورہ صورتوں کا حکم

۲۔ جہاں تک دوسرے کے لیے مسجد میں مانگنے کا تعلق ہے تو یہ بالاتفاق جائز و مستحسن بلکہ سنّت سے ثابت ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبے کی حالت میں سلیک غطفانی کو نماز پڑھنے کا حکم دیا تاکہ لوگ انہیں دیکھیں اور ان پر صدقہ کریں "اَنَّہ علیہ السلام اَمَرَ سُلَیْکًا الْغَطْفَانِی بِالصَّلَاۃِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فِیْ حَالَ الْخُطْبَۃِ لِیَرَاہُ النَّاسُ فَیَتَصَدَّقُوْنَ عَلَیْہِ وَاَنَّہٗ اَمَرَھُمْ بِالصَّدَقَۃِ وَھُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ"۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، باب المساجد و مواضع الصلاۃ، جلد ۲، ص ۴۱۲، دار الفکر، بیروت)۔ نیز نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے وقت قبیلہ مضر کے غازیوں کے لیے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو تلقین کی، جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راویِ حدیث کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ (سامان کے) دو ڈھیر لگ گئے ایک کھانے کا اور دوسرا کپڑوں کا"۔ (مشکوۃ المصابیح، قدیمی کتب خانہ، کتاب العلم، الفصل الاوّل، ص ۳۳)

مگر دوسروں کے لیے مانگنے میں ان شرائط کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس عمل سے مسجد میں نہ شور و غل مچے، نہ نمازیوں کی نماز میں خلل پڑے، نہ لوگوں کی گردنیں پھلانگنی پڑیں اور نہ صفوں میں نمازیوں کے سامنے سے گزرا جائے، ورنہ انہیں دینا ناجائز ہو گا، جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

صورت نمبر ۳ اور ۴ میں جہاں تک دوسروں کے لیے سوال کرنے والا کو دینے کا تعلق ہے تو جیسا کہ مذکور ہوا کہ جب شرائطِ مذکورہ کے ساتھ مسجد میں دینا جائز ہے تو مسجد سے باہر نکل کر دینا بھی جائز ہو گا۔

صورت نمبر ۵ اور ۶ میں جہاں تک سائل کو بن مانگے مسجد یا مسجد سے باہر دینے کا تعلق ہے تو یہ بھی مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

چنانچہ "فتاویٰ رضویہ"، ج ۲۳، ص ۳۹۹۔ ۴۰۰ پر ان مذکورہ پانچ صورتوں کا حکم امام احمد رضا خاں حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتوے میں ملتا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

**مسئلہ ۱۶۳:** از شہر محلہ ذخیرہ مسئولہ شیخ علی صاحب فاروقی ۱۲ ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، مسجد کے اندر سوال کرنا اپنے یا غیر کے واسطے اور سائل کو دینا اس کے یا غیر کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جو مسجد میں غل مچا دیتے ہیں، نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے صفوں میں پھرتے ہیں (انہیں دینا) مطلقاً حرام ہے، اپنے لیے خواہ دوسرے کے لیے، حدیث میں ہے: ((جَنِّبُوْا مَسَاجِدَ کُمْ صِبْیَانَکُمْ وَمَجَانِیْنَکُمْ وَرَفْعَ اَصْوَاتِکُمْ)) رواہ ابن ماجہ عن واثلۃ بن الاسقع وعبد الرزاق عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔[۱] ترجمہ: "مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں اور بلند آواز سے بچاؤ"۔ ([۱] المصنف لعبد الرزاق باب انشاد الضالۃ فی المسجد حدیث ۱۷۲۶ المکتب الاسلامی بیروت ۱ / ۴۴۲، سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب مایکرہ فی المساجد، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۵۵)

حدیث میں ہے: ((مَنْ تَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اِتَّخَذَ جِسْرًا اِلٰی جَھَنَّمَ))، رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ عن معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[۲] ترجمہ: "جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اس نے جہنم تک پہنچنے کا اپنے لیے پل بنا لیا"۔

(۲؎ جامع الترمذی کتاب الجمعۃ باب کراھیۃ التخطی یوم الجمعۃ امین کمپنی دہلی ۶۸/۱؛ سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی النہی عن تخطی الناس یوم الجمعۃ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص۷۹)

اور اگر یہ باتیں نہ ہوں جب بھی اپنے لیے مسجد میں بھیک مانگنا "منع" ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ سَمِعَ رَجُلًا یَنْشُدُ فِی الْمَسْجِدِ ضَآلَّۃً فَلْیَقُلْ لَا رَدَّھَا اللّٰہُ اِلَیْكَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِھٰذَا)) رواہ احمد و مسلم وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[۳] ترجمہ: "جو کسی شخص کو مسجد میں اپنی گمی چیز دریافت کرتے سنے اس سے کہے اللہ تجھے وہ چیز نہ ملائے؛ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں"۔

(۳؎ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النہی عن نشد الضالۃ الخ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲۱۰/۱؛ سنن ابن ماجہ، باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص۵۶؛ مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۲/۳۴۹)

جب اتنی بات منع ہے تو بھیک مانگنی خصوصاً اکثر بلا ضرورت بطور پیشہ خود ہی حرام ہے، یہ کیونکر جائز ہو سکتی ہے ولہذا ائمۂ دین نے فرمایا: جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے وہ ستر ۷۰ پیسے راہِ خدا میں اور دے کہ اس پیسہ کے گناہ کا کفارہ ہوں اور دوسرے محتاج کے لیے امداد کو کہنا یا کسی دینی کام کے لیے چندہ کرنا جس میں نہ غل شور ہو، نہ گردن پھلانگنا، نہ کسی کی نماز میں خلل یہ بلا شبہہ جائز، بلکہ سنّت سے ثابت ہے اور بے سوال کسی محتاج کو دینا بہت خوب اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ثابت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔"

اسی طرح "فتاویٰ رضویہ"، ج۱۶، ص۴۱۸ میں ہے:

"**سوال:** مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا، کسی معذور، بیوہ یا کسی مسجد یا خاص اسی مسجد کی ضروریات کے لیے کسی قومی یا مذہبی ضرورت کے لیے چندہ وخیرات مسجد میں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مسجد میں اپنے لیے مانگنا جائز نہیں اور اسے دینے سے بھی علمانے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ امام اسمٰعیل زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے اسے چاہیے کہ ستر پیسے اللہ تعالیٰ کے نام پر اور دے کہ اس پیسہ کا کفارہ ہوں اور کسی دوسرے کے لیے مانگنا یا مسجد خواہ کسی اور ضرورتِ دینی کے لیے چندہ کرنا جائز اور سنّت سے ثابت ہے۔"

۱۔ جہاں تک مسجد میں اپنی ذات کے لیے سوال کرنے کا تعلق ہے تو یہی وہ چیز ہے جس میں علما و مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک مطلقاً دینا جائز نہیں مسجد میں دیا جائے یا مسجد سے نکل کر، بعض کے نزدیک جامع مسجد کی شرط ہے کہ اس میں دینا جائز نہیں، امام احمد رضا خاں حنفی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں، کہیں آپ نے منع فرمایا اور کہیں مباح لکھا اور عمل سے ثابت بھی فرمایا۔ حال ہی میں راقم نے ایک مقالہ اسی مسئلے سے متعلق پڑھا جس میں مستند دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سائل مسجد کو فی زمانہ دینا مطلقاً منع ہے۔ تاہم اختصار کے پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زیرِ نظر مضمون میں اس مقالے کے دلائل پر گفتگو نہیں کی جائے گی۔

اس سے پہلے کہ امام احمد رضا خاں حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال بیان کر کے نتیجۂ بحث پیش کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک ضروری امر کی وضاحت کر دی جائے اور وہ یہ کہ مسجد کے سائل کو دینے سے منع کرنے والے اکابرینِ امت نے کسی قسم کی کوئی قرآنی آیت یا واضح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم قولی، فعلی یا تقریری پیش نہیں کی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائلِ مسجد کو دینے سے منع فرمایا ہو، ہاں گم شدہ چیز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے علمانے استدلال ضرور کیا اور بعض سلفِ صالحین نے ایک اثر حضرت سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پیش کی کہ "قَالَ بَعْضُ السَّلَفِ لَا یَحِلُّ اِعْطَاؤُہٗ فِیْہِ لِمَا فِیْ بَعْضِ الْاٰثَارِ یُنَادٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِیَقُمْ بِغَیْضِ اللّٰہِ فَیَقُوْمُ سُوَّالُ الْمَسْجِدِ۔ ترجمہ: بعض سلف (یعنی: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا مسجد میں سائل کو دینا جائز نہیں ہے کیونکہ کچھ آثار میں ہے کہ بروزِ قیامت ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض شخص کھڑا ہو جائے تو مسجد کا سائل کھڑا ہو جائے گا۔" ("کتاب التجنیس والمزید"، ج۱، ص ۳۵۸)

پھر اگر علمائے کرام نے سائل کو دینے سے منع کیا ہے تو ہمیں بھی اسی پر اکتفا کرنا چاہیے، مگر افسوس کہ ہم لوگ اسے نہ تو کچھ دیتے ہیں اور نہ ہی دینے دیتے ہیں، بلکہ اس کی اچھی خاصی دل آزاری اور

عزتِ نفس مجروح کرنے میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے نیز مسجد میں ایک طرح کا شور بپا ہو جاتا ہے۔ نمازی کہنے لگتے ہیں کہ "باہر جا کے مانگو!" امام صاحب فرمانے لگتے ہیں: "یاد رکھیے! مسجد میں مانگنا حرام اور سائل کو دینا بھی حرام۔" (مزید یہ کہ) "علما فرماتے ہیں کہ جو سائلِ مسجد کو ایک روپیہ دے وہ باہر جا کر ستر روپے بطورِ کفارہ خرچ کرے" وغیرہ وغیرہ۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (10)﴾ ترجمہ: "اور منگتا کو نہ جھڑکو" (سورۃ ضحیٰ، آیت: ۱۰)۔ خزائن العرفان میں ہے: "یا کچھ دے دو یا حسنِ اخلاق اور نرمی کے ساتھ عذر کر دو"۔ یعنی اگر تم سائل کو کچھ دے نہیں سکتے تو کم از کم جھڑکو تو نہیں کہ اس کی بھی عزتِ نفس ہے، نیز یہ کہ مسلمان کی دل آزاری کرنا حرام ہے، بالفرض اگر آپ کے خیال میں وہ گناہ کا کام بھی کر رہا ہے تو اسے حکمت بھرے انداز سے سمجھایئے نہ یہ کہ اس کا دل دکھایئے اور اسے اس کے اس کام پر عار دلائیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ))۔ ترجمہ: "جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کو گناہ پر عار دلائی وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہی گناہ نہ کر لے"، (جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۲۹، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۷۴۵۲) والعیاذ باللہ تعالیٰ من ذلك۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اپنے در کے سوا کسی کا محتاج نہیں رکھے۔ تصور کیجیے اگر ہم میں سے کسی پر اچانک معاشی بحران آگیا تو عزیز رشتہ داروں کے بعد کہاں کا رُخ کریں گے؟ کسی عزتِ نفس مجروح کرنے والے شخص کا یا پھر اچھے چہرے والوں کا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں؟

"فتاویٰ رضویہ" جلد ۲۱، ص ۳۰۹۔۳۱۴ پر چودہ احادیث نقل کیں گئیں جن میں سے یہ بھی ہیں: (۱) حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اُطْلُبُوا الْخَيْرَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْهِ۔" "خیر طلب کرو نیک رویوں کے پاس"۔

(۲) وفی لفظ: اُطْلُبُوا الْخَيْرَ وَالْحَوَآئِجَ مِنْ حِسَانِ الْوُجُوْهِ۔ "نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو"۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیوں خوبصورتوں سے مانگنے کا کہا جا رہا ہے؟ اس کی وجہ حدیث میں ارشاد ہوتی ہے: "۔۔۔فَاِنْ قَضٰى حَاجَتَكَ قَضَاهَا بِوَجْهٍ طَلَقٍ وَ اِنْ رَدَّكَ رَدَّكَ بِوَجْهٍ طَلَقٍ۔" خوش جمال آدمی اگر تیری حاجت روا کرے گا تو بکشادہ روئی اور تجھے پھیرے گا تو بکشادہ پیشانی۔" اللہ اکبر۔۔۔! اس مفہوم کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شعر کی صورت میں یوں ڈھالا ہے۔

کون دیتا ہے دینے کو مُونھ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) حضورِ پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہٖ فرماتے ہیں: "اُطْلُبُوا الْفَضْلَ عِنْدَ الرُّحَمَآءِ مِنْ اُمَّتِيْ تَعِيْشُوْا فِيْ اَكْنَافِهِمْ فَاِنَّ فِيْهِمْ رَحْمَتِيْ۔ فضل میرے رحمدل اُمتیوں کے پاس طلب کرو کہ ان کے سائے میں چین کرو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔"

## اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل

آیئے دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کا سلوک سائلِ مسجد کے ساتھ کیسا تھا؟ چنانچہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ "مرآۃ" میں ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں: "اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا گیا کہ آپ مسجد کے بھکاری کو پہلے دیتے، پھر مسجد میں مانگنے سے منع کرتے"۔ (مفتی احمد یار خاں نعیمی، مرآۃ المناجیح، مکتبۂ اسلامیہ، لاہور، کتاب الزکوٰۃ، باب: مانگنا کسے حلال نہیں، ج ۳، ص ۶۸)۔

سبحان اللہ! دیتے پھر منع کرتے۔۔۔! ستر یا چالیس پیسے یا زیادہ کفارے کے کب خرچ کرتے تھے؟ کب اس سائل کو مسجد سے نکالتے۔۔۔؟ کب اُس کو جھڑکتے۔۔۔؟ خدارا ہماری آنکھیں کب کھلیں گی ہم کب خوابِ غفلت سے بیدار ہونگے اور کب علم اور اہلِ علم کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کرتے رہیں گے!

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ "احسن الوعاء لآداب الدعاء" کے حاشیہ "ذیل المدعاء لاحسن الوعاء" کی تذییل میں، ادب نمبر ۱۵ کے تحت لکھتے ہیں: "مسجد میں سوال نہ کرے کہ حدیث شریف میں اس سے ممانعت آئی اور اسے دینا بھی نہ چاہیے کہ شنیع پر اعانت ہے۔ علما فرماتے ہیں: مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے تو ستر (۷۰) پیسے اور درکار ہیں جو اس کا کفارہ ہوں، کما فی الھندیۃ والحدیقۃ الندیۃ وغیرھما۔ اور اگر ایسی بدتمیزی سے سوال کرتا ہے کہ نمازیوں کے سامنے سے گزرتا ہے یا بیٹھے ہوؤں کو پھاند کر جاتا ہے تو اسے دینا

بالاتفاق ممنوع وھو المختار علی ما فی الدر المختار من الحظر وقد جزم فی الصلوٰۃ باطلاق الحظر وعبر عن ھٰذا بقیل۔ أقول: وان فرق بمن تعوّد فیمنع عطاؤہ مطلقاً أو ورد غریباً کئیباً لا یعرف الناس فیباح ان لم یتخطّ ولم یعد وکان توفیقاً، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (یعنی: میں کہتا ہوں: ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ اگر سائل پیشہ ور گدا گر ہے تو مطلقاً اسے دینا بالاتفاق ناجائز ہے، اور اگر وہ خستہ حال مسافر آیا ہے کہ وہاں لوگ اسے نہیں جانتے، نہ وہ نمازیوں کی گردنیں پھاندتا ہے اور نہ سوال کی تکرار کرتا ہے تو اسے دینا جائز ہے۔)

"درمختار "ج ۲، ص ۵۲۳، (مطبوعہ مکتبۂ رشیدیہ، کوئٹہ) کی عبارت یہ ہے: (وَيَحْرُمُ فِيهِ السُّؤَالُ وَيُكْرَهُ الْإِعْطَاءُ مُطْلَقًا، وَقِيلَ: إِنْ تَخَطَّى)۔ ترجمہ: "مسجد میں مانگنا ناجائز ہے اور اسے دینا بھی مطلقاً مکروہ ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر گردنیں پھلانگے (تو دینا مکروہ ہے)۔"

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: (قَوْلُهُ: وَقِيلَ إِنْ تَخَطَّى) هُوَ الَّذِي اقْتَصَرَ عَلَيْهِ الشَّارِحُ فِي الْحَظْرِ حَيْثُ قَالَ: فَرْعٌ يُكْرَهُ إِعْطَاءُ سَائِلِ الْمَسْجِدِ إِلَّا إِذَا لَمْ يَتَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ فِي الْمُخْتَارِ لِأَنَّ عَلِيًّا تَصَدَّقَ بِخَاتَمِهِ فِي الصَّلَاةِ فَمَدَحَهُ اللهُ تَعَالَى بِقَوْلِهِ {وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ} ط۔ ترجمہ: "قولہ: مسجد میں مانگنا ناجائز ہے: حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ اسی پر شارح نے کتاب الحظر والاباحۃ میں اقتصار کیا اور فرمایا: مسجد کے سائل کو دینا مکروہ ہے مگر جب وہ لوگوں کی گردنیں نہیں پھلانگے، مختار قول کے مطابق (تو دینا اسے جائز ہے) کیونکہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے نماز میں اپنی انگوٹھی صدقہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس آیت میں مدح فرمائی: ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾۔

نیز علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے باب الجمعۃ ج ۳، ص ۴۷، میں فرمایا: (قَوْلُهُ وَيُكْرَهُ التَّخَطِّي لِلسُّؤَالِ إلَخْ) قَالَ فِي النَّهْرِ: وَالْمُخْتَارُ أَنَّ السَّائِلَ إنْ كَانَ لَا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي وَلَا يَتَخَطَّى الرِّقَابَ وَلَا يَسْأَلُ إلْحَافًا بَلْ لِأَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ فَلَا بَأْسَ بِالسُّؤَالِ وَالْإِعْطَاءِ اهـ وَمِثْلُهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ. وَفِيهَا وَلَا يَجُوزُ الْإِعْطَاءُ إذَا لَمْ يَكُونُوا عَلَى تِلْكَ الصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ. قَالَ الْإِمَامُ أَبُو نَصْرٍ الْعِيَاضِيُّ: أَرْجُو أَنْ يَغْفِرَ اللهُ - تَعَالَى - لِمَنْ يُخْرِجُهُمْ مِنْ الْمَسْجِدِ. وَعَنْ الْإِمَامِ خَلَفِ بْنِ أَيُّوبَ: لَوْ كُنْت قَاضِيًا لَمْ أَقْبَلْ شَهَادَةَ مَنْ يَتَصَدَّقُ عَلَيْهِمْ. اهـ.

ترجمہ: "قولہ: سوال کے لیے گردنیں پھلانگنا مکروہ ہے۔۔۔الخ: نہر الفائق میں ہے: اور مختار یہ ہے کہ اگر سائل نہ نمازی کے آگے سے گزرتا ہے اور نہ گردنیں پھلانگتا ہے اور نہ ہی سوال ایسے کرتے ہیں کہ گڑگڑانا پڑے بلکہ سوال ضرورت کے لیے کرتے ہیں تو سوال کرنے میں اور انہیں دینے میں کوئی حرج نہیں، اسی کے مثل بزازیہ میں ہے اور اسی (بزازیہ) میں ہے: مانگنے والوں کو دینا ناجائز ہے جب کہ وہ مذکورہ طریقہ سے نہیں مانگتے۔ امام ابو نصر عیاضی کہتے ہیں: میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا جو ان لوگوں کو مسجد سے نکالے۔ امام خلف بن ایوب سے مروی ہے فرماتے ہیں: اگر میں قاضی ہوتا تو ایسے لوگوں کو دینے والوں کی گواہی قبول نہ کرتا۔"نہر الفائق کا کلام ختم ہوا۔

امام برہان الملۃ والدین صاحب ہدایہ متوفّٰی ۵۹۳ھ اپنی تصنیف "کتاب التجنیس والمزید" ج ۱، ص ۳۵۸، (مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)، میں فرماتے ہیں: مسألۃ ۳۴۸:

"رجل صلی التطوع فی المسجد الجامع والمساکین یمرون بین یدیہ فصلاتہ تامۃ لا اِثم علیہ، لأنہ لم یباشر المنھی والاثم علی الذی باشر المنھی حتی قال أبو مطیع: لا ینبغی أن یعطی سوّال المسجد لأن فیہ وعیداً۔ وروی عن الحسن (البصری) رحمۃ اللہ علیہ: لَا يَحِلُّ اِعْطَاؤُهُ فِيهِ لِمَا فِي بَعْضِ الْآثَارِ يُنَادِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَقُمْ بِغَيْضِ اللهِ فَيَقُوْمُ سوَّالُ الْمَسْجِدِ۔ والمختار أنہ اذا کان السائل لا یتخطی رقاب الناس ولا یمر بین یدی المصلی ولا یسأل الناس الحافاً ویسأل لأمر لا بدّ منہ فلا بدّ بالسؤال والاعطاء لہ، لأن السوّال کانوا یسألون علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المسجد حتی روی أنّ علیاً رضی اللہ عنہ تصدق بخاتمہ وھو فی الرکوع فمدحہ اللہ تعالیٰ بقولہ (وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ) وان کان یتخطی رقاب الناس ویمر بین یدی المصلی ولا یبالی یکرہ ھذا والتصدق علی مثل ھذا مکروہ لما قلنا۔

ترجمہ: "ایک شخص جامع مسجد میں نفل پڑھ رہا ہے اور مسکین اُس کے سامنے سے گزر رہے ہیں، تو اس کی نماز بغیر کسی گناہ کے پوری ہو

گی، کیونکہ اس نے ممنوع کام کا ارتکاب نہیں کیا اور گناہ تو اس پر ہے جس نے اس ممنوع کام کو کیا، حتّٰی کے ابو مطیع نے کہا: مسجد کے سائل کو نہیں دینا چاہیے کہ اس میں وعید آئی ہے۔ امام حسن بصری علیہ الرحمۃ سے مروی ہے فرماتے ہیں: مسجد میں سائل کو دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ کچھ آثار میں ہے کہ بروزِ قیامت ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض شخص کھڑا ہو جائے تو مسجد کا سائل کھڑا ہو جائے گا۔ اور مختار یہ ہے کہ اگر سائل نہ نمازی کے آگے سے گزرتا ہے اور نہ گردنیں پھلانگتا ہے اور نہ ہی سوال ایسے کرتا ہے کہ گڑگڑانا پڑے، بلکہ سوال ضرورت کے لیے کرتا ہے تو ضرور سوال کرے اور اسے دیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں سائل مسجد میں مانگا کرتے تھے حتی کہ مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حالتِ رکوع میں اپنی انگوٹھی صدقہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس آیت میں مدح فرمائی: ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ﴾، اور اگر وہ لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہے، نمازی کے آگے سے گزرتا ہے اور اس کی پروہ نہیں کرتا ،تو سوال کرنا اور ایسے کو دینا مکروہ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا"۔

## خلاصۂ کلام

مذکورہ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ جہاں کہیں مسجد کے سائل کو دینے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسجد میں غل مچا دیتے ہیں نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں۔ یعنی ان کے سامنے سے گزرتے ہیں، لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے صفوں میں پھرتے ہیں انہیں دینا مطلقاً حرام ہے اپنے لیے مانگیں خواہ دوسرے کے لیے، اور اگر سائل ان ممنوع امور کا ارتکاب نہ کرے بلکہ ضرورت کی چیز کا سوال کرے اسے دینا بالاتفاق جائز و مستحسن بلکہ سنت سے ثابت اور امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کا اسی پر عمل۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے پہلے تسلی سے غور و فکر کرلیں کہ ہم مسجد میں کسی کے ساتھ کیسا سلوک کرنے جارہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کم علمی یا لاپرواہی کی وجہ سے بنا بنایا کام بگڑ جائے۔ خدارا۔۔۔! علم حاصل کیجیے کہ علم سیکھنے سے آتا ہے اور اپنے اندر اعتدال کو دوام بخشنے کی کوشش کیجیے اورافراط و تفریط سے مکمل کنارہ کشی اختیار کیجیے۔

❦ ❦ ❦ ❦ ❦

(بقیہ صفحہ نمبر 16 سے ملحق)

"خصوصاً ترجمہ کی وہ گویا متکلم کی طرف سے اس کی زبان کا بیان ہوتا ہے تو نہایت ضروری ہے کی اس (مولف) کی عظمت وشان ملحوظ رہے (ترجمہ کرتے وقت) وہ الفاظ لکھے جائیں جو اس کے کہنے کے (لائق) ہوں" (فتاویٰ رضویہ، ج۲۹، ص۲۵) "اگر صحیح ترجمہ کیا جائے اور طرزِ بیان بھی مقبول و محمود ہو اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہ ہو تو وہ گویا انہیں کتابوں کا وجودِ ثانی ہوگا۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد نہم قدیم، ص۱۲۲)

## نقل میں احتیاط

آپ حوالہ جات اور اقتباس کی نقل میں نہایت احتیاط سے کام لیتے۔ کسی کتاب اور قلمی نسخے کی صحت کے بارے میں جب تک خود مطمئن نہیں ہو جاتے احاطۂ تحریر میں لانے سے احتیاط برتتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں": نقل بہت صحیح ہو۔ مقابلہ (اصل و نقل کا) بہت غور سے ہو بلکہ دو تین بار مقابلہ ہو تو بہتر ہے۔" (کلیاتِ مکاتیبِ رضا، ص۲۲۱) آپ فتاویٰ شامی سے نقل فرماتے ہیں: "اکثر ایسا واقع ہوا ہے کہ مولف سے کوئی غلطی ہوگئی تو لوگ اسے بلا تنبیہ نقل کرتے رہتے ہیں حتّٰی کہ اس کے ناقلین کثیر ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل کے اعتبار سے ایک مخطی ہی۔" (جلد۴، ص۳۵۱)؛ "کثرت نقول مستلزم صحت کو نہیں۔ پہلے ایک شخص سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے اور بعد کے لوگ اس غلطی بطن صحت کو نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔" (فتاویٰ رضویہ جلد نمبر۶، ص۱۹۹) آپ مقدمہ ابن الصلاح کے حوالے سے لکھتے ہیں: "کسی معیّن مصنّف کی طرف منسوب کتاب میں ایک عبارت دیکھ کر نقل کر دیتا ہے کہ مصنّف نے ایسا کہا۔ حالانکہ صحتِ نسخہ پر وثوق حاصل نہیں۔ مثلاً یوں کہے کہ فلاں نے یوں کہا فلاں نے یوں ذکر کیا حق یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج۱۵، ص۵۵۷)

## اشکال، جدول اور نقشہ جات

آپ کے تحقیقی مقالہ نگاری کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے تحقیقی مقالے میں تصوّرات اور حقائق کی تفہیم کے لیے برموقع اور برمحل اشکال، خاکے، جدول اور نقشہ جات کو بھی استعمال کرتے ہیں، جس کی مثالیں فتاویٰ رضویہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ امام احمد رضا محدثِ حنفی کی تحقیقی مقالہ نگاری کی یہ وہ چند خصوصیات ہیں، جن میں عصرِ حاضر کے محققین کے لیے کئی رہ نما اصول موجود ہیں۔ اگر ان اصولوں کو مدِّ نظر رکھا جائے تو بین الاقوامی معیار کی جدید مقالہ نگاری کی شرائط سے عہدہ برآ ہوا جاسکتا ہے۔

# امام احمد رضا اور مشائخ مارہرہ مطہرہ

سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ
افضل الصلاۃ والتسلیم

ساداتِ مارہرہ نے اعلیٰ حضرت محدثِ بریلوی کو اتنا ٹوٹ کر چاہا کہ انھیں ''چشم وچراغِ خاندانِ برکات'' کا لقب عطا فرمایا۔ جو لوگ مارہرہ اور بریلی کے رشتوں کی ماہیت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ دو نام ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ نہ بریلی مارہرہ سے الگ ہے، نہ مارہرہ بریلی سے الگ ہے۔

بریلی کے معزز پٹھان گھرانے میں پیدا ہوئے احمد رضا علم و فضل کے جملہ لوازمات سے لیس ہونے کے بعد نسبت کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت ہند میں کتنے ہی ایسے گھرانے تھے جن کے پاس علم وفضل بھی تھا اور نام ونسبت بھی۔ کچھوچھہ شریف، دلّی، مراد آباد، بدایوں، پھپھوند، حیدرآباد، اجمیر شریف کتنے ہی گھرانے تھے جو روحانیت کے آسمان پر سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ احمد رضا کہیں سے بھی فیض حاصل کرسکتے تھے، مگر ان کی دور بین نگاہوں نے ضلع ایٹہ کے ایک چھوٹے سے قصبے کا انتخاب کیا جہاں درویش صفت نبی زادے اپنے نانا جان ﷺ کی آبرو سنبھالے حجرہ نشین تھے۔ تھے بھی وہ آلِ رسول اور نام بھی تھا اُن کا آلِ رسول۔ یہ وہ قادری مسند تھی جہاں بغدادی و اجمیری دو آتشہ چھن رہی تھی۔ مارہرہ کے سادات کی سب سے بڑی خصوصیت تھی ان کا عالی نسب جو حسینی خاندان کی سونے کی کڑیوں سے جڑا ہوا تھا۔ جس میں سونے کے علاوہ کسی اور دھات کا ٹانکا نہیں تھا۔

اعلیٰ حضرت کو معلوم تھا کہ یہ وہ خاندان ہے جس نے اپنے شجرۂ نسب کو ہر قسم کی ملاوٹ سے اب تک محفوظ رکھا ہے۔ جو اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کی شادی صرف انھی خاندانوں میں کرتے ہیں جو انھی کی طرح مضبوط اور مسلسل نسب نامہ رکھتے ہیں۔ مارہرہ کا خاندان نجیب الطرفین سادات کا خاندان ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ساداتِ مارہرہ کے طریقتی شجرے کو بھی بڑے غور سے دیکھا تھا۔ سبحان اللہ! چشتیت ایسی کھری کہ ان کے جدِّ اعلیٰ کو قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست ملی۔ قادریت ایسی انمول کہ ایک طرف پیر سے مرید کو بخشا ہوا سلسلہ دوسری طرف باپ سے بیٹے کو عطا کیا ہوا سلسلہ۔ گویا سونے پر سہاگہ!

اعلیٰ حضرت کو یہ بھی معلوم تھا کہ ساداتِ مارہرہ کا یہ وہ مقدس گھرانہ ہے جسے سرکارِ بغداد غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ بشارت دی گئی ہے: یہی پیام یہی رسالہ، کہیو برکات مارہرہ والا۔ ساتھ ہی حضور تاج دار جیلاں رضی اللہ عنہ نے اپنی تسبیح کے سات منکے (دانے) حضرت بو علی شاہ قلندر کی معرفت تاج دارِ مارہرہ حضور شاہ برکت اللہ قدس سرہ کو بھجوائے اور سات منکوں کی صورت میں سات اقطاب کی بشارت دی۔ ان اقطاب میں کے پانچ اقطاب سے اعلیٰ حضرت اچھی طرح واقف تھے یعنی حضور سیدنا شاہ برکت اللہ قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ آلِ محمد سرکار کلاں قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ حمزہ عینی قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ، حضور سیدنا شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ اور اعلیٰ حضرت کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ سرکارِ بغداد کی بشارت پوری ہو کر رہے گی اور اسی خاندان میں دو قطب اور ہوں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ خاتم الاکابر حضور سیدنا شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہ اور حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے اس سلسلے کو پورا کیا۔ آج دنیاے طریقت میں مارہرہ شریف غالباً وہ احد آستانہ ہے جہاں ایک ہی چھت کے نیچے سات اقطاب آرام فرما ہیں۔ فللّٰہ الحمد!

اس طرح ہم نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نے اپنا سودا کرنے کے لیے ایک ایسی نورانی دکان کو منتخب فرمایا جہاں کا بھاؤ اُس وقت دنیاے سنّیت میں سب سے اونچا تھا۔ جس وقت اعلیٰ حضرت اپنے والدِ ماجد حضرت مولٰینا نقی علی خاں کے ہمراہ حضور اچھے میاں قدس سرہ کے

مکان سجادگی کے حجرۂ سجادگی میں داخل ہوئے اور تخت احمدی پر براجمان تاج دارِ مارہرہ شاہ آلِ رسول احمدی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے، اس وقت کسے خبر تھی کہ جو نوجوان آج بیعت کی غرض سے حاضر ہوا ہے، وہ بیعت کے علاوہ اور بہت کچھ لے کر اس حجرے سے نکلے گا۔ بیعت کے بعد کے واقعات میں اکثر غلو کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ مثلاً شاہِ آلِ رسول نے اعلیٰ حضرت کو بیعت کرنے کے بعد فرمایا: مجھے بہت دنوں سے اپنی نجات کی فکر دامن گیر تھی۔ الحمد للہ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ گویا بریلی کے مولانا احمد رضا خاں قطبِ مارہرہ شاہ آلِ رسول احمدی کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے تھے۔ اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ حضور خاتم الاکابر نے انھیں خاندان کی تمام خلافتوں، اجازتوں اور وظائف و اوراد سے بھی نواز دیا۔ جب حضور خاتم الاکابر کے بھتیجے اور خلیفہ حضور سید شاہ حسین حیدر کو معلوم ہوا تو انھوں نے دبی زبان سے پوچھا: ہمارے خاندان کا تو یہ وطیرہ رہا ہے کہ خلافت دینے سے پہلے سالہا سال مجاہدہ کرایا جاتا ہے اور جب طالب ریاضت و مجاہدے کی بھٹی میں تپ کر کندن بن کر نکلتا ہے تب اس کے سر پر خلافت کا تاج رکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آپ نے بریلی کے ان صاحب زادے کو کسی بھی طرح کے مجاہدے کے بغیر ساری خلافتیں اور اجازتیں عطا کر دیں! خاتم الاکابر مسکرائے اور فرمایا: ''اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں، اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت و مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مصفّٰی و مزکّٰی قلب لے کر آئے؛ انھیں ریاضت و مجاہدے کی کیا ضرورت تھی؟ انھیں صرف نسبت کی ضرورت تھی، سو وہ ہم نے دے دی۔'' اس کے بعد حضور خاتم الاکابر نے وہ مشہور و معروف جملہ ارشاد فرمایا: ''ایک عرصے سے یہ فکر لاحق تھی کہ بروزِ حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول تو ہمارے لیے کیا لایا، تو میں کیا پیش کروں گا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ اب حشر میں رب پوچھے گا: اے آلِ رسول! ہمارے لیے کیا لایا، تو کہہ دوں گا: احمد رضا کو لایا۔'' ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ روایتوں کے تضاد نے اصل واقعے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔

حضور خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول احمدی نے اپنے ولی عہد سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ کو اس موقع پر ایک وصیت فرمائی جس سے ۲۲ سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی جملہ علوم و فنون میں مہارت کا پتا چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''دیکھو اب ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں ان دونوں عالموں (مولانا احمد رضا اور مولانا عبدالقادر بدایونی) کو دکھائی جائیں اور یہ جیسی اصلاح کریں قبول کی جائے پھر اشاعت ہو۔''

حجرۂ سجادگی میں بیعت ہونے کے بعد جب اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے تو خانقاہ کے خدام انھیں دیکھ کر بے اختیار اسم ذات اللہ اللہ کا نعرہ لگا بیٹھے۔ خانقاہ کی روایت کے مطابق خدام یہ نعرہ صرف صاحب سجادہ کو دیکھ کر لگاتے تھے۔ آج یہ کیا ہوا کہ بریلی کے نوجوان کو دیکھ خدام خانقاہ اپنی روایت فراموش کر بیٹھے۔ بات یہ تھی کہ جس وقت اعلیٰ حضرت حجرے سے باہر آئے ان کی شکل و شباہت ہو بہو شاہ آلِ رسول کی جیسی تھی، اسی لیے خدام بارگاہ مرید پر شیخ کا دھوکہ کھا گئے اور بے ساختہ اسم جلالت بلند کر بیٹھے۔ سبحان اللہ! شاہ آلِ رسول نے علم و فضل سے مالا مال اپنے مرید کو اپنی ایسی نسبت عطا فرمائی کہ رات دن خدمت میں حاضر رہنے والے نمک خوار ایک لمحے کے لیے پہچان نہ سکے کہ کون آقا ہے اور کون غلام!

یہاں ایک اور بات غور طلب ہے کہ حجرۂ سجادگی میں اعلیٰ حضرت اور ان کے والدِ ماجد ساتھ ساتھ داخل ہوئے تھے۔ شاہ آلِ رسول احمدی نے دونوں کو ایک ساتھ ہی بیعت کیا تھا، مگر خلافت کا شرف صرف احمد رضا کو ملا؛ جبکہ والد مولانا نقی علی خان بھی علم و فضل کے آسمان پر سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ دراصل شاہ آلِ رسول احمدی کی دوررس نگاہوں نے اپنی مومنانہ فراست سے یہ دیکھ لیا تھا کہ بریلی کا یہ نوجوان کل دنیائے سنّیت کا مجدد اور علومِ ظاہری و باطنی کا امام بن کر چمکے گا اور اس کے سر پر امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت کا تاج رکھا جائے گا۔ نظمی اپنی ایک نظم میں کہتا ہے:

یہی تھے وہ خاتم الاکابر
کہ جن کے ہاتھوں بکے بریلی کے خان زادے
مرید احمد رضا تھے ایسے
کہ جن پہ نازاں تھے ان کے مرشد
یہی وہ احمد رضا تھے جن کو

علومِ ظاہر، علومِ باطن میں سب نے اپنا امام مانا
انھیں کی تقلید اس زمانے میں
سنّیت کی کسوٹی ٹھہری
انھوں نے دنیا کو یہ بتایا
کہ پیر کا احترام کیا ہے
انھوں نے شعر و سخن کے میداں میں
نعت گوئی کا ایک اچھوتا شعور بخشا
رضا کے موئے قلم نے
نجدی ملاعنہ کے حواس پر بجلیاں گرائیں
''حسام الحرمین'' ذوالفقار علی کی صورت
چلی سپاہ وہابیہ پر
سکھایا احمد رضا نے دنیا کو
حق و باطل میں فرق کرنا
یہ فیض آلِ رسول کا تھا
امام احمد رضا نے دنیا میں اعلیٰ حضرت خطاب پایا

میں آج بھی یہی سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا احمد رضا خاں محقق بریلوی کو کیسا غیر معمولی ذہن عطا کیا تھا کہ علومِ عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ فلسفہ، ریاضی وہیئت، فقہ، اصولِ فقہ، فنِّ رجال، تفسیر، تصوف، کلام، منطق، تاریخ وسیر، قرآن وحدیث تقریباً ۵۴ علوم میں اتنا کچھ سرمایہ عطا کیا کہ دنیا انھیں علومِ ظاہر وباطن کا امام ماننے پر مجبور ہو گئی۔ اپنے تو اپنے، غیروں نے بھی اعلیٰ حضرت کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ایک تحقیقی فتوے کو دیکھ کر مکۂ مکرمہ کے ایک جلیل القدر عالم مولانا سید اسماعیل بن سید خلیل آفندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفّٰی ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) نے فرمایا تھا: (ترجمہ) ''خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ بے شک ان علمی جواہر پاروں کو اگر امام اعظم قدس سرہ دیکھتے تو ضرور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان کے مؤلف کو اپنے اصحاب کے زمرے میں شامل فرمالیتے۔''

برِّ صغیر کے روحانی دانشوروں میں امام احمد رضا کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ مسندِ افتا پر جلوہ افروز ہیں۔ سامنے فتویٰ نویس بیٹھے ہیں۔ بیک وقت کئی کاتبوں کو مختلف زمروں کے فتوے املا کرا رہے ہیں۔ دائیں بازو پر بیٹھے کاتب کو میراث کے فتوے کا ایک پیراگراف لکھاتے ہیں، پھر بائیں طرف بیٹھے ہوئے کاتب کی طرف مخاطب ہوتے ہیں اور اسے حلال و حرام کے فتوے کا ایک پیراگراف لکھواتے ہیں۔ سامنے بیٹھے ہوئے کاتب کو طلاق کے مسئلے پر ایک پیراگراف املا کراتے ہیں۔ ایک اور کاتب کو عقیدے کا کوئی مسئلہ لکھواتے ہیں۔ پھر پہلے کاتب کی طرف لوٹتے ہیں اور وہیں سے املا شروع کرا دیتے ہیں جہاں سے چھوڑا تھا۔ اسی طرح باری باری ہر کاتب کو املا کراتے ہیں۔ مضمون کا تسلسل وہی، کہیں ذرّہ برابر کنفیوژن نہیں۔ مکان کے باہر بیٹھک میں متوسلین کا ہجوم ہے۔ لوگ دور دور سے آئے ہیں اور اپنے ساتھ طرح طرح کے مسائل لائے ہیں۔ مگر سوداگران محلّہ کا یہ درویش سب کی تسلّی کر رہا ہے۔ مصلّٰی بچھا ہوا ہے، عبادت میں مصروف ہیں۔ مرشد کے آستانے سے جو اجازتیں عطا ہوئی ہیں، انھیں وظیفے کے روپ میں ڈھالا جا رہا ہے۔ کبھی مراقبے میں چلے جاتے ہیں تو مارہرہ شریف ہو کر مدینہ پہنچ جاتے ہیں۔ عبادت سے فارغ ہو کر زمینداری پر توجہ دیتے ہیں۔ کہیں زمین کا مقدمہ ہے، کہیں کھیت کا، کہیں لگان کا، کہیں چک بندی کا، سب کچھ انھی کو دیکھنا ہے۔ ان سارے کاموں کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول کے دشمنوں سے بھی نپٹنا ہے، ان کی دشنام طرازیوں اور بہتان تراشیوں کا منہ توڑ جواب دینا ہے۔ یہ کیسا دماغ ہے کہ ایک ساتھ اتنے بہت سے کام کر رہا ہے اور وہ بھی نہایت نظم وضبط کے ساتھ۔

اعلیٰ حضرت نے دس ہزار صفحات پر مشتمل فتوے لکھے جنھیں دنیائے سنّیت میں فتاویٰ رضویہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان فتاوٰی کے علاوہ ایک ہزار سے زیادہ کتابیں اور رسائل لکھے۔ ان فتاوٰی اور کتابوں میں اعلیٰ حضرت نے حوالے کے لیے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان کی تعداد کم و بیش پانچ ہزار ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کتابوں کو حوالے کے روپ میں پیش کر رہے ہیں ان کا مطالعہ بھی ضرور کیا ہو گا اور ان کی عبارتیں ذہن میں محفوظ بھی رکھی ہوں گی۔ اتنی مصروفیات کے بعد وہ کون سا وقت رہا ہو گا جب اعلیٰ حضرت نے عشقِ رسول میں ڈوبی اپنی شاعری کی ہو گی۔ شاعری بھی کیسی کہ اپنے وقت کے استاد حضرت داغ دہلوی کو کہنا پڑا: ؏

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

اعلیٰ حضرت نے ہندستان میں اردو شاعری کو ایک نیا سلیقہ، ایک نیا آہنگ، ایک نیا رنگ، ایک نیا روپ عطا کیا۔ انھوں نے شاعری کی سب سے مشکل صنف یعنی نعت کو اپنے شہوار قلم کی جولانیوں کے لیے بطورِ میدان منتخب کیا۔ انگریزی ادب میں لارڈ ٹینی سن، فارسی میں سعدی شیرازی اور اردو میں جوش کے ذخیرۂ الفاظ کی بڑی دھوم ہے۔ ذرا حدائق بخشش کے اوراق اُلٹیے، زبان و ادب کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹیں مار رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی نعتیہ شاعری میں جس رنگ و آہنگ کو پیش کیا وہ دوسروں کے نصیب میں اس لے لیے نہیں کہ دوسرے یا تو معشوق کی زلفوں کے پیچ و خم میں پھنسے رہ گئے یا غلو و مبالغہ کی دلدل میں دھنسے رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت نے جو کچھ لکھا قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کے اقوال کی روشنی میں لکھا۔ خود فرماتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اعلیٰ حضرت کا لکھا ہوا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس کا نام ہے ''الامن والعلیٰ''۔ اس میں انھوں نے ساٹھ قرآنی آیتوں اور تین سو سے زیادہ احادیث کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ بلاؤں کو دفع کرنے والے ہیں۔ آج تقریباً ایک صدی ہونے کو آئی، مخالفین میں سے کسی کے محاسبے اور ان کے سرغنوں کی سرکوبی کے لیے پانچ سو کتابیں لکھیں جن میں سے ایک کا بھی جواب مخالفین سے نہیں بن پایا۔ اعلیٰ حضرت کو جن علوم میں مہارت حاصل تھی، اُن میں درجنوں وہ علوم ہیں جنھیں آپ نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا۔ کتنے ہی علوم وہ ہیں جنھیں اساتذہ کی مدد کے بنا محض اپنی ذہانت کے بل بوتے پر سیکھا تھا۔ کثیر تعداد ان علوم کی ہے جن پر آپ نے اپنی بصیرت و مہارت سے اضافے فرمائے۔ چند علوم وہ ہیں جو پہلے فنّی طور پر مدوّن نہیں تھے، آپ نے انھیں مدوّن فرمایا۔ ان میں وہ علوم آتے ہیں جو مٹ چکے تھے، آپ نے ان کا احیا فرمایا۔ کچھ علوم ایسے ہیں جنھیں آپ نے خود ایجاد فرمایا۔ اگر یہاں ان تمام علوم کی مثالیں الگ الگ پیش کرنے بیٹھے تو اس کے لیے الگ کتاب ہی لکھنی پڑے گی۔ حضرت مفتی شریف الحق علیہ الرحمۃ کے بقول اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے صفحات کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ ہے اور بعض محققین کے مطابق یہ تعداد سولہ لاکھ تک پہنچتی ہے۔

آج بہت سے نام کے سید زادے اعلیٰ حضرت کا نام سن کر ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ کچھ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی محفلوں میں اعلیٰ حضرت زندہ باد کے نعرے کیوں لگائے جاتے ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کی دہائی کیوں دی جاتی ہے۔ یہ لوگ اعلیٰ حضرت کے نام سے بدکتے ہیں مگر جب کبھی وہابی اور دیوبندی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے ہی مدد لینی پڑتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے سنّیوں کو دین کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے ہر قسم کا ہتھیار عطا کیا ہے۔

''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کو بہت کم الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس طرح ہو گا: ''جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمھارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اسے اپنے اندر سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینک دو۔'' (وصایا شریف)

مارہرہ شریف کے مشائخین کرام کو اعلیٰ حضرت سے ایک عجیب سا لگاؤ تھا اور اعلیٰ حضرت کو اپنے پیر خانے کے ایک ایک فرد سے عشق تھا۔ ان کا یہ شعر صرف اور صرف مارہرہ شریف کے سادات کے متعلق ہے:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے میری سرکاروں کے

اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانے کا اتنا ادب کرتے تھے کہ مارہرہ شریف کے ریلوے اسٹیشن پر اُترتے ہی اپنی جوتیاں اتار کر ہاتھ میں لے لیتے۔ نظمی کہتا ہے:

کبھی مرشد کے در پر پاؤں میں جوتا نہیں پہنا
مرید باصفا ہونا، یہ شانِ اعلیٰ حضرت ہے

اعلیٰ حضرت کو تاج دارِ مارہرہ حضور سید شاہ مہدی میاں صاحب سے بڑا لگاؤ تھا۔ اکثر مارہرہ شریف تشریف لاتے تو حضرت مہدی میاں صاحب کے دولت کدے پر ہی مہمان ہوتے۔ ایک بار

کا واقعہ ہے کہ حضور مہدی میاں صاحب کو بادی اور بواسیر کی تکلیف لاحق ہوئی۔ آپ کے ایک مرید جو حج کرکے لوٹے تھے، مارہرہ آئے تو مرشد کی تکلیف معلوم ہوئی۔ انھوں نے تانبے کا ایک چھلّہ حضور مہدی میاں صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور کہا: "سرکار، یہ چھلّہ میں نے وادیِ اُحد میں سید الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے آستانے پر حاضری کے وقت حاصل کیا ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس چھلّے کے پہننے سے بواسیر، سفرہ اور بادی جیسی ساری تکلیفوں میں راحت ملتی ہے۔" حضور مہدی میاں کو اس وقت اتنی شدید تکلیف تھی کہ فوراً وہ چھلّہ لے کر ہاتھ کی انگلی میں پہن لیا۔ اتفاقاً انہی دنوں اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف تشریف لائے اور حضور مہدی میاں کے دولت کدے پر قیام کیا۔ اعلیٰ حضرت کی نظر حضور مہدی میاں کی انگلی پر پڑی تو دیکھا کہ تانبے کا چھلّہ پہنے ہوئے ہیں۔ مرشد زادے کا معاملہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے حسنِ تدبیر سے کام لیا۔ حضور مہدی میاں سے عرض کیا: "حضور کچھ دنوں سے مجھے بادی کی شکایت ہے اگر آپ کوئی دوا تجویز کر سکیں تو عنایت فرمائیں۔" حضور مہدی میاں نے اپنی انگلی سے تانبے کا چھلّہ نکالا اور اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا: "ایک صاحب نے مدینۂ منورہ سے یہ چھلّہ ہمیں اسی مرض کی دوا کے لیے لا کر دیا ہے۔ آپ اسے پہن لیجیے۔" اعلیٰ حضرت نے بڑے ادب سے وہ چھلّہ لے لیا اور اس وقت محض دکھانے کے لیے انگلی میں ڈال لیا۔ یہ اعلیٰ حضرت ہی کا کمال تھا کہ اپنے مرشد زادے کو ایک شرعی قباحت سے آزادی بھی دلائی اور انھیں احساس بھی نہیں ہونے دیا۔ اعلیٰ حضرت کا کہنا تھا کہ اہلِ بیتِ رسول سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی سیّد زادے کی کوئی غلطی دیکھے تو اسے گناہ نہ سمجھے، بلکہ یوں سمجھے گویا سید زادے کے دامن پر تھوڑی سی غلاظت لگی ہوئی ہے، جسے دھو کر صاف کیا جا سکتا ہے۔

میرے دادا پیر مجددِ برکاتیت حضور سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن صاحب علیہ الرحمۃ کو اعلیٰ حضرت سے خصوصی محبت تھی۔ خاندانِ برکات کے مؤرخ حضور تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہ اپنے والدِ ماجد کا ایک واقعہ یوں درج کرتے ہیں:

"بریلی کے رہنے والے ایک صاحب جو خود کو حضرت نانا صاحب قبلہ وکعبہ سید شاہ احمد نوری میاں صاحب قدس سرہ کا مرید بتاتے اور جب ۱۳۴۳ھ میں حضرت قدس سرہ کے مبارک عرس کی شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے اور اب حالت ان کی یہ تھی کہ وہ وہابی ہوگئے اور اسی بنا پر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ کو بُرا کہتے اور ابنِ سعود نجدی کی بہت تعریفیں کرتے اور شریف حسین مرحوم کے سخت دشمن اور ان کو گالیاں دیتے تھے۔ ان کے اسی ادعاے بیعت و نیاز مندی کے دھوکے میں پڑ کر ہمارے حضرت قدس سرہ کے ایک قریبی عزیز نے، جن سے متعدد قرابتوں کے علاوہ ساتھ رہنے سہنے اور میل جول کے قدیم تعلقات مودت ومحبت بھی تھے، ان بریلوی صاحب کو ایامِ عرس میں اپنے مکان میں ٹھہرایا۔ جب حضرت قدس سرہ کو اس پر اطلاع ہوئی اور وہ عزیز حضرت سے ملے تو حضرت نے اس ٹھہرانے پر اپنی ناراضی و ناگواری بہت صفائی سے ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے اور مجھ سے کم و بیش پچاس برس اتفاق رہا۔ اب ایسی کارروائیوں سے افتراق کی صورت نظر آتی ہے۔ محمد میاں سلمہ بھی اگر دین میں مداہنت کرے تو میں اس سے بھی ایسے ہی علیٰحدہ ہو جاؤں۔"

حضور تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں علیہ الرحمۃ کو اعلیٰ حضرت سے محبت اپنے والدِ گرامی مجددِ برکاتیت سید شاہ محمد اسماعیل حسن قدس سرہ سے ورثے میں ملی تھی۔ حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک تقریر میں حضور العلما کے تاثرات کچھ اس طرح پیش کیے ہیں:

میرے خال محترم نے لکھا اپنے تذکرۂ خاندانِ برکات میں: "گو کہ مجھے رسمی طور پر مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے تلمذ حاصل نہیں ہے لیکن مَیں ان کو اپنے بہت سے اساتذہ کے مقابلے میں اپنے حق میں بہتر و برتر مانتا ہوں۔" اور اس کی وجہ لکھی: "اس لیے کہ میں ان کا طریقۂ تحریر و تقریر میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق پاتا ہوں۔"

مارہرہ شریف میں اعلیٰ حضرت کا قیام مسجد برکاتی کے سامنے مدرسہ نام کی عمارت کے دالان میں رہتا۔ ایک بار اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف تشریف لائے۔ ان دنوں میرے والدِ ماجد حضور سید العلما علیہ الرحمۃ کا بچپنا تھا۔ اعلیٰ حضرت درگاہ شریف کی حاضری کو گئے ہوئے تھے۔ اس دوران حضور سید العلما باہر آئے اور اس بستر پر لیٹ

گئے جو اعلیٰ حضرت کے لیے سجایا گیا تھا۔ درگاہ شریف کی حاضری کے بعد جب اعلیٰ حضرت خانقاہ میں لوٹے تو دیکھا کہ سید میاں ان کے بستر پر براجمان ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کچھ کہا نہیں، بس پائینتی ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔ اس بیچ سید میاں کے نانا اور پیر و مرشد حضور سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن عرف شاہجی میاں رحمۃ اللہ علیہ وہاں آپہنچے، دیکھا کہ ان کا نواسہ بستر پر براجمان ہے اور سُنّیوں کا پیشوا احمد رضا دست بستہ کھڑا ہے۔ نانا جان نے سید میاں کے پاس جا کر انھیں بستر سے ہٹانا چاہا، مگر اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: "صاحب زادے کو یوں ہی رہنے دیں حضور، اس غلام کے مرتبے بڑھ رہے ہیں۔"

حضور سید میاں علیہ الرحمۃ نے اپنی زندگی مسلکِ اعلیٰ حضرت کی نشر و اشاعت، ترویج و ترقی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ مسلکِ برکاتیت کی نشر و اشاعت اور فکرِ اعلیٰ حضرت کی ترویج و ترقی کے لیے سید میاں نے اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہا اور ممبئی کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ ملک بھر میں گاؤں گاؤں، قریہ قریہ دورہ کر کے عوامِ اہلِ سنّت تک دینِ حنیف کا پیغام پہنچایا۔ ان کا یہ شعر کافی مشہور ہوا:

یاالٰہی مسلکِ احمد رضا زندہ باد
حفظِ ناموسِ رسالت کا جو ذمہ دار ہے

حضور احسن العلما سید شاہ حسن میاں قدس سرہ فرماتے تھے: "میرا کوئی مرید مسلکِ اعلیٰ حضرت سے اِدھر سے اُدھر ہو جائے تو وہ خود بخود میری بیعت سے نکل جائے گا۔" حضور احسن العلما اعلیٰ حضرت پر اتھارٹی تھے۔ حدائق بخشش پڑھنے اور سمجھانے کا انھی کا حصہ تھا۔ مسجد برکاتی، مارہرہ مطہرہ میں ہر جمعہ کو خطبے سے پہلے آدھا گھنٹہ تقریر کرتے اور اس میں ضروری مسائل سمجھاتے اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی باریکیاں مارہرہ کے عوام کے سامنے پیش کرتے۔ اعراس کی تقاریب میں بھی ان کی زبان سے زیادہ تر اعلیٰ حضرت کا ہی تذکرہ سننے کو ملتا۔ الحمدللہ! مارہرہ کے اس سیّد گھرانے کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں جتنا ذکر امام احمد رضا کا ہوتا ہے، اتنا شاید اعلیٰ حضرت کے اپنے خاندان میں نہیں ہوتا ہو گا۔

میرے برادرِ نسبتی پروفیسر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم القادری الجیلانی لکھتے ہیں: "ہمارے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کسوٹی تھی اتباع شریعت اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ انھیں خانقاہِ برکاتیہ اس کسوٹی پر خوب جچی اس لیے کسب فیض کے لیے پاپیادہ حاضر ہو گئے اور ایک ہی ملاقات میں اپنے مرشدِ برحق خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آلِ رسول قدس سرہ سے وہ کچھ پالیا جس کے بعد وہ مجددِ دین و ملت اور امامِ عصر کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ہمارے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پیر خانے میں علم کی دولت نظر آئی جس کے بغیر اتباعِ شریعت کا اہتمام کسی طرح ممکن نہیں۔" (اہلِ سنّت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۷ء، صفحہ ۲)

کچھ لوگ ساداتِ مارہرہ کی اعلیٰ حضرت کے ساتھ والہانہ محبت کو یہ کہہ کر سمجھانے لگے ہیں کہ مارہرہ کی برکاتیت اپنی بقا کے لیے اعلیٰ حضرت کی بیسا کھی کا سہارا لے رہی ہے۔ بیسا کھی کا سہارا تو معذور شخص لیتا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ساداتِ مارہرہ اپنی جسمانی اور روحانی حیثیت سے پورے طور سے صحت مند اور چاق و چوبند ہیں۔ بریلی سُنّیت کا مرکز سہی، لیکن وہ آج بھی اس نسبت کا محتاج ہے جو شاہ آلِ رسول احمدی نے برسوں پہلے امام احمد رضا کی جھولی میں ڈالی تھی اور بعد میں انھی کے جانشین شاہ نوری میاں صاحب نے اعلیٰ حضرت کو "چشم و چراغِ خاندانِ برکات" کا لقب عطا کیا تھا۔

ایک دو سال کا عرصہ ہوا پورے سوراشٹر میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ نظمی اعلیٰ حضرت کے دشمنوں سے مل گیا ہے اور نظمی اور اس کا بیٹا اعلیٰ حضرت کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر اعلیٰ حضرت آج موجود ہوں تو ہم انھیں خاموش کرا دیں۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ نظمی تو نظمی اس کے آبا و اجداد کی کیا مجال کہ اعلیٰ حضرت کے بارے میں ایسی بات کہہ سکیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کا پیر خانہ ہی ان کا دشمن ہو گیا تو پھر ان کا دوست کون رہے گا؟ نظمی نے اپنے ایک مقطع میں اس فتنے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

نظمی کو جو رضا کا مخالف کہے، مرتے دم اس کے لب پر نہ کلمہ رہے
ہمہ دانی کا دعویٰ ہے جس شخص کو وہ منافق ہے، جھوٹا، دغاباز ہے

نظمی نے اعلیٰ حضرت کو اپنی روزی روٹی کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا۔ ٹاڑائی مولوی نے اعلیٰ حضرت کے جن دشمنوں سے نظمی کے مل جانے کا ذکر کیا ان کے ہاتھ پاؤں خود وہی مولوی چومتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ نظمی کل بھی اعلیٰ حضرت کے گن گاتا تھا آج بھی گاتا ہے:

یہ فیضِ کلکِ رضا ہے کہ شعر کہتا ہوں
وگرنہ نعت کہاں اور کہاں قلم میرا

# اعلیٰ حضرت اور الحدیقۃ الندیۃ

محمد آصف رضا عطاری

امام احمد رضا کی علمی تخلیقات میں شروح وحواشی خاص اہمیت رکھتے ہیں، جن کا تعلق مختلف علومِ عقلیہ ونقلیہ سے ہے۔ ان میں سے بیشتر عربی اور فارسی میں ہیں اور امام احمد رضا کی سرعتِ فکر، دقتِ نظر، تبحر اور تعمق کے روشن شواہد ودلائل ہیں۔(امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری، ج۱، ص۲۳، مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، ۱۹۸۴ء)

"اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة شَرْحُ الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة" بھی ان کتب میں سے ایک ہے جس کے ۱۴۰ مقامات پر مختصر مگر وقیع اور اہم معانی پر مشتمل مجددِ اعظم، فَقِیہِ اَفخَم، امامِ اہلسنّت حضرت سیّدُنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے بے نظیر حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ عظیم منافع کی حامل یہ کتاب علامہ محمد آفندی رومی برکلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۸۱ھ) کی کتاب "اَلطَّرِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّة وَالسِّیْرَةُ الْاَحْمَدِیَّة" کی مفصل شروحات میں سے ایک ہے۔ "کَشْفُ الظُّنُوْن وذَیْلُہٗ" میں طریقۂ محمدیہ کی چودہ شروحات بتائی گئی ہیں۔ "یہ کتاب (طریقۂ محمدیہ) شریعت وطریقت کا معتدل ومتوسط راستہ اور علمِ طریقت کے موضوع پر بہت اعلیٰ وعمدہ تصنیف ہے۔" (الحدیقۃ الندیۃ، خطبۃ الکتاب، ج۱، ص۳) تقریباً اڑھائی سو کتابوں کے مصنف عارف باللہ سیدی علامہ عبد الغنی نابلسی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی (متوفی ۱۱۴۳ھ) نے اتنی زیادہ شروحات ہونے کے باوجود محسوس کیا کہ ابھی تک "طریقۂ محمدیہ" کی تشریح وتوضیح کماحقہ نہیں ہو سکی۔ کسی نے پیچیدہ عبارتوں کی گتھیاں سلجھائیں تھیں تو کسی نے اشارات پر اشکالات کا ازالہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک جامع ومبسوط شرح لکھنے کا ارادہ فرمایا، شرح لکھنے کی وجہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت سُیّدُنا امام محمد آفندی رومی برکلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی کی کتاب (یعنی طریقۂ محمدیہ) ایک پُر لطف تصنیف ہے، جس میں انہوں نے فقہی مسائل کو مقاماتِ زہد کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ خالص علمی اور عقائد کی ابحاث کو بھی یکجا کر دیا ہے۔ ان کی تحریر انتہائی شُستہ اور واضح ہے، انہوں نے اپنی تالیف میں جہاں اُمّتِ مسلمہ کی خیر خواہی فرمائی تو وہیں قلوب واذہان سے شکوک وشبہات کے بادل بھی ہٹائے ہیں۔ انہی خوبیوں کی بنا پر چند رفقا اور احباب نے مجھ سے اس کتاب کی شرح لکھنے پر اصرار کیا (اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی خاص عنایت سے میرا اور ان کا شمار تائید یافتہ لوگوں میں فرمائے۔) اٰمین۔ میرے پیشِ نظر کوئی ایسی شرح لکھنا نہیں جو پیچیدہ عبارات کی گتھیاں سلجھائے اور جو لوگ اشاروں میں کیے گئے کلام کو سمجھنے سے قاصر ہوں ان کے اشکالات کا ازالہ کرے بلکہ میرا مقصد تو ایک ایسی شرح لکھنا ہے جس میں الفاظ کم اور معانی جامع ومانع ہوں اور وہ بذاتِ خود اہلِ کمال کے دلوں کو اپنے محاسن کی طرف کھینچ لے اور وہ جاہل متعصب افراد کی بچوں جیسی حرکات کا منہ توڑ جواب بھی ہو۔" (الحدیقۃ الندیۃ، ج۱، ص۳)

اہلِ علم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اپنے اپنے زمانے کے اہل کمال اور جلیل القدر ائمہ، فقہا، علما اور صوفیاے عظام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام نے "حدیقۂ ندیہ" کو مستند ترین کتابوں کی فہرست میں نہ صرف شامل فرمایا بلکہ اس مبارک کتاب کے حوالہ جات سے اپنی اپنی تصانیفِ جلیلہ کو مدلل ومبرہن بھی فرمایا اور یہی بات فتاوٰی رضویہ شریف میں بھی جلوے لُٹا رہی ہے۔ سیّدُنا اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے فقہ حنفی کے اس بے مثال انسائیکلوپیڈیا "فتاوٰی رضویہ" شریف میں ۱۶۲ سے زائد مقامات پر اس کتابِ مستطاب سے عقائد، مسائل اور احکام بیان فرمائے ہیں۔ ذرا اس کتاب کی شانِ ثقاہت اور اس پر اعتماد کو تو ملاحظہ فرمائیے! فرماتے ہیں": یہاں صرف حدیقۂ ندیہ شریف کے یہ کلماتِ شریفہ بس ہیں۔" (فتاوٰی رضویہ (مخرجہ) ج۳۰، ص۳۴۸) "ظہیریہ وہندیہ وحدیقہ وغیرہا کتبِ معتمدہ میں ہے۔" (فتاوٰی رضویہ (مخرجہ) ج۱۱، ص۲۳۱)

اور ایک نظر ان القابات پر بھی ڈالیے جو جلیل القدر ائمہ وعلما نیز مجددِ اعظم نے صاحبِ حدیقہ کی شان میں استعمال فرمائے ہیں:

(۱) "اَلْاُسْتَاذُ الْاَعْظَم، اَلْمَلَاذُ الْاَعْصَم، اَلْعَارِفُ الْکَامِل، اَلْعَالِمُ الْکَبِیْرُ الْعَامِل، اَلْقُطْبُ الرَّبَّانِی وَالْغَوْثُ الصَّمَدَانِی" جیسے عظیم الشان القابات سے یاد کرنے کے بعد حضرت علامہ مرادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِیْ نے فرمایا کہ "میری تاریخ (یعنی کتاب)، کمالِ فخر کو جا پہنچی کہ وہ ایک ایسے امام کے تذکرے پر مشتمل ہے، زمانہ جن کا عقیدت مند ہے۔" (جامع کرامات الاولیاء، ج۲، ص۲۰۰)

(۲) حضرتِ سیّدُنا شیخ عبد القادر رافعی فاروقی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے انہیں "بلادِ مصر کا مفتی" فرمایا۔

(۳) مُحَقِّقُ عَلَی الْاِطْلَاق حضرتِ سیّدُنا علامہ ابن عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی (متوفی ۱۲۵۲ھ) نے آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے رسالہ "کَشْفُ النُّوْر عَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْر" سے ایک عبارت کا خلاصہ لکھنے کے بعد فرمایا: "نَفَعَنَا اللّٰہُ بِہٖ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں ان کی برکتوں سے مالامال فرمائے (اٰمین)۔"

(۴) مجددِ اعظم سیّدُنا شاہ امام احمد رضا خاں عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن (متوفی ۱۳۴۰ھ) جنازے کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کے مسئلے میں علامہ نابلسی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کا کلام بطورِ دلیل پیش کرتے ہوئے ان القابات سے یاد فرماتے ہیں: "امام، علامہ، عارف باللہ، ناصح الامہ، سیدی عبد الغنی نابلسی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اپنی کتابِ مستطاب "اَلْحَدِیْقَةُ النَّدِیَّة شَرْحُ الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّة" میں فرماتے ہیں۔"

سیدنا اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اور حدیقۂ ندیہ کا باہم تعلق دو طرح سے ہے: (۱) سیدنا اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اپنے فتاوٰی وکتب میں جابجا اس کتابِ مستطاب سے استفادہ فرمایا اور (۲) آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اس کتاب پر بے مثال حواشی بھی رقم فرمائے۔ مجددِ اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے تقریباً جس کتاب کا بھی مطالعہ کیا دورانِ مطالعہ اس پر حسبِ ضرورت کچھ نہ کچھ تعلیقات یا حواشی ضرور تحریر فرمائے ہیں۔ آپ کے حواشی رسمی وروایتی نہیں ہوتے بلکہ ان میں آپ کی ذاتی تحقیق وتدقیق ضرور کار فرما ہوتی ہے۔ بقول خیر الاذکیاء حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی: "حواشی یا تعلیقات وہاں لکھتے جہاں مزید تحقیق و توضیح کی ضرورت ہوتی یا کوئی بڑی کمی محسوس ہوتی یا صاحبِ کتاب سے انہیں اختلاف ہوتا یا سابقہ توضیحات و تشریحات میں اضطراب واختلال ہوتا ایسے مقامات پر قلم اٹھاتے اور کم سے کم الفاظ میں وقیع اور اہم معانی پر مشتمل چند سطور تحریر فرماتے۔" (معارفِ رضا، شمارہ ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء، ص۵۷) آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے گراں مایہ حواشی کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے۔ (امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری، ج۱، ص۳۱)

ایک وقت تھا جب ادیبِ شہیر علامہ شمس الحسن شمس صدیقی بریلوی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی (متوفی ۱۹۹۷ء) نے بجا طور پر اس شکوہ اور ساتھ ہی تمنا کا اظہار فرمایا تھا: "افسوس کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آج تک کسی کو ہوش نہ آیا کہ وہ امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ان حواشی کو جو حضرت کے تبحرِ علمی کا ایک انمٹ نشان اور دنیائے رضویت کے لیے طرّۂ امتیاز اور خواجہ تاشانِ رضویت کے لیے سرمایۂ نازش وافتخار ہیں، تراجم کے ساتھ شائع کر کے اپنی عقیدت وعلمیت کا ثبوت دیتے۔" (امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری، ج۱، ص۳۳) مگر آج یہ شکوہ اِزالہ کی جانب اور تمنا نتیجہ خیزی کی طرف گامزن ہے، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ۔ آج پہلے کے مقابلے میں اہلسنّت میں بیداری کی لہر تیز ہے اور رضویت پر نئے نئے انداز سے تحقیقات جاری وساری ہیں۔

اہلسنّت وجماعت کی تحریک "دعوتِ اسلامی" کی مجلس "اَلْمَدِیْنَةُ الْعِلْمِیَّه" کی طرف سے مجددِ اعظم، سیدنا اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی کئی کتب ورسائل کو جدید انداز واسلوب کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے، مزید سفر جاری ہے۔ مجلس کا "شعبۂ کتبِ اعلیٰ حضرت" اب تک مجددِ اعظم کی ۱۵ اردو اور ۱۲ عربی کتب ورسائل پر کام کر چکا ہے جن میں جد الممتار علی رد المحتار (آٹھ جلدوں میں سے چار طبع ہو چکی ہیں)، التعلیق الرضوی علی صحیح البخاری اور ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت (تسہیل، تخریج، حواشی، فہارس کے ساتھ)، کنز الایمان مع خزائن العرفان (جدید فارمیٹنگ اور تسہیل وغیرہ) شامل ہیں نیز "شعبۂ درسی کتب" نور الایضاح مع مراقی الفلاح اور "نصابِ اصول حدیث" کو افاضاتِ رضویہ کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے اور اب "شعبۂ تراجم کتب" کی طرف سے امام اہلسنّت کے نادر عربی حواشی اور ان کے ترجمہ کے ساتھ "حدیقہ ندیہ" کا ترجمہ بنام "اصلاحِ اعمال" جلد اول اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ زہے قسمت کہ ہمیں ایک ویب سائٹ (www.alahazratnetwork.org) سے یہ حواشی مل گئے مگر یہ قلمی یعنی مخطوطے کی صورت میں تھے جو تصحیح کا متقاضی تھا۔ اَلْمَدِیْنَةُ الْعِلْمِیَّه کے علمائے کرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے انتھک

کوششیں کر کے اولاً اس کی تصحیح کی پھر اردو میں ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ البتہ! مخطوطے کے چند ایک مقامات سے الفاظ مٹے ہوئے تھے جو بہت غور و فکر کے باوجود اوراصل صورت سمجھ نہ آنے کی وجہ سے حل نہ ہو سکے اس جگہ لفظ۔۔۔ بیاض۔۔۔ سے نشاندہی کر دی گئی ہے۔ قلمی نسخوں کی تصحیح و تنقیح کرنے والے احباب اس کام کی دشواریوں کو خوب جانتے ہیں۔ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کا کروڑہا کروڑ شکر کہ ''اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ'' کی طرف سے ''اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ شَرْحُ الطَّرِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃ'' کے ترجمہ کے ساتھ سیّدنا اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے یہ حواشی مع ترجمہ پہلی بار شائع ہو رہے ہیں۔

ابتدائی طور پر مجلس ''اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّہ'' نے طے کیا تھا کہ اس کتاب کا خلاصہ بصورتِ ترجمہ پیش کر دیا جائے اور مشکل و پیچیدہ ابحاث وغیرہ کو ترک کر دیا جائے۔ کیونکہ علمیہ کا ''شعبۂ تراجم کتب'' جس کے ذمے اپنے اکابرین علمائے اسلام کی عربی میں لکھی گئی کتب و رسائل کے اردو زبان میں تحقیقی اور بامحاورہ تراجم کرنا ہے تادمِ تحریر (۳شعبان ۱۴۳۲ھ) 27 کتب و رسائل کا ترجمہ پیش کر چکا ہے، جن میں سے 22 کتب و رسائل طبع ہو چکے ہیں۔ اس شعبے میں ''حدیقۂ ندیہ'' کے ساتھ ساتھ جن کتب پر کام ہوا یا جاری ہے ان میں سے چند یہ ہیں: الزواجر عن اقتراف الکبائر (دو جلدیں)، حلیۃ الاولیاء (دس جلدوں میں سے ایک پریس میں ہے) قوت القلوب (چار جلدیں)، احیاء العلوم (چار جلدیں) اور کتاب العلم مع الشرح از کنز العمال وغیرہ۔ ان کتب سے شعبے میں کام کی زیادتی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی سبب سے مذکورہ انداز پر ''حدیقۂ ندیہ'' کے تقریباً ایک ہزار سے زائد عربی صفحات کا خلاصہ تیار ہو گیا تھا، مگر پھر اس عظیم الشان، کثیر المنافع اور عدیم المثال کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر یہ عزم کیا گیا کہ ''سوائے لغوی ابحاث کے ازاوّل تا آخر پوری کتاب کا ترجمہ کیا جائے گا'' اور پھر اس انداز پر کام شروع کر دیا گیا۔ اس انداز پر کام کی صورت میں ترجمے کی تقریباً 5 ضخیم جلدیں بن جائیں گی (اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ)۔ یاد رہے کہ اصل کتاب دو جلدوں میں عربی کے باریک خط میں جہازی سائز کے ۱۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عطاؤں، اولیائے کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام کی عنایتوں، مجددِ اعظم شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی نوازشوں اور امیرِ دعوتِ اسلامی، شیخِ طریقت، حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطارؔ قادری دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَۃ کی پُرخلوص دعاؤں کے طفیل اس کی ۸۶۸ صفحات پر مشتمل پہلی جلد دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے ''مکتبۃ المدینۃ'' سے طبع ہو چکی ہے۔ اس ''جلدِ اوّل'' میں سیدی اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے ۲۷ حواشی شامل ہیں۔ باقی حواشی اگلی جلدوں میں اپنے اپنے مقام پر آئیں گے۔ کتاب پر کام کا انداز اور تفصیل کے لیے پہلی جلد میں ۲۲ صفحات پر پھیلا ''پیش لفظ'' ملاحظہ فرمایئے۔ یہاں صرف دو باتیں ذکر کی جاتی ہیں (۱) ۱۹۷۷ء کو جب مکتبۂ نوریہ رضویہ، فیصل آباد نے ''حدیقۂ ندیہ'' کو شائع کیا تو اس کے ساتھ قبلہ شرفِ ملت، استاذ العلما حضرت علامہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی (متوفی ۱۴۲۸ھ) کا عربی میں تحریر کردہ ''کَلِمَۃُ التَّقْدِیْم'' (مقدمہ) بھی شائع ہوا جس میں آپ نے ''طریقۂ محمدیہ'' کے مصنف اور شارح رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمَا کا تعارف نیز متن و شرح کا تعارف بڑے شاندار اور محققانہ انداز میں کروایا ہے۔ اس ''مقدمہ'' کا ترجمہ بھی پہلی جلد میں شامل کر دیا گیا ہے (۲) ترجمہ کرتے وقت اس بات کو مدِّ نظر رکھا گیا ہے کہ امامِ اہلسنّت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے ''فتاوٰی رضویہ'' میں منقول ''حدیقۂ ندیہ'' کی عبارات کا ترجمہ کیا فرمایا۔ لہٰذا ان عبارات کا ترجمہ آپ کے مبارک الفاظ کی رہنمائی میں کیا گیا ہے۔ والبرکۃ مع اکابرکم۔

---

**امام احمد رضا پر ایک اور ایم فل مقالے کی منظوری**

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ)، محترم پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس، چیئرمین شعبۂ اسلامیات، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد کا ممنون و مشکور ہے جن کے علمی تعاون و سرپرستی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر ایک ایم فل مقالہ مرتّب و منظور ہوا۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

**عنوانِ مقالہ:** مولانا احمد رضا کی علم الطبیعیات میں خدمات کا جائزہ۔

**اسکالر\مقالہ نگار:** محمد شہزاد

**سپروائزر:** ڈاکٹر شیر علی، اسسٹنٹ پروفیسر، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

**یونیورسٹی جس نے مقالہ منظور کیا:** جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان۔

# سلامِ رضا کے چند اشعار

محمد جلال الدین قادری

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی شاعری حضرت حسان، رومی، جامی، سعدی وغیر ھم (رضوان اللہ علیہم) نعت گو حضرات کے سلسلے کا تسلسل ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام اردو، فارسی، عربی اور ہندی زبانوں کے ادباء اور شعراء کے نزدیک اساتذہ کے کلام کا ہم پلہ ہے۔ عشاق نے اسے حرز جان بنالیا ہے اور اسے قرآن وحدیث سے مستنبط جانا۔ حق بات یہ ہے کہ آپ نے نعت گوئی قرآن مجید سے سیکھی، اپنے کلام کی اصلاح کسی سے نہ کی، اس طرح کے نعت گو تلمیذ الرحمٰن کہلاتے ہیں۔ یوں تو آپ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" پورے کا پورا انتخاب ہے مگر اس میں سے سلام بار گاہِ مصطفیٰ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات کا مقام منفرد ہے۔ یہ سلام نعتیہ شاعری کی معراج ہے۔ جلیل القدر شعراء نے اس پر تضمینیں لکھی ہیں۔ محراب ومنبر پر اسے پڑھا جاتا ہے۔ مدرسہ وخانقاہ میں اسے پڑھا جاتا ہے، عرب وعجم میں اسے محبت سے پڑھا جاتا ہے حتی کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عین مواجہ شریف میں زائرین اسے پڑھتے ہیں۔ مدت سے خواہش تھی کہ اس سلام کی تشریح آسان اردو میں کردی جائے۔ ابھی چند اشعار کی تشریح لکھ سکا تو معلوم ہوا کہ مقتدر علما اس سلام کی شرح لکھ رہے ہیں۔ فقیر نے مزید شرح لکھنے سے قلم روک دیا۔ (محمد جلال الدین)

## دوسرا شعر

شہریارِ ارم، تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

## حلِّ لغات

**شہریار:** بادشاہ بزرگ وعادل، ملک، سلطان۔

**ارم:** (۱) باغِ شداد، نشانِ فرسنگ۔ (۲) قوم عاد کے شہر کا نام، قوم عاد کا جدِّ امجد۔ (۳) بہشت، جنت۔ بعض تفاسیر میں باغ شداد کا حال بیان کیا گیا ہے، یہ باغ مربع شکل کا تھا، اس کا احاطہ چالیس کوس تھا۔ اس کی بنیادوں میں سنگ سلیمانی استعمال ہوا، دیواروں کی تعمیر میں سونے چاندی کی اینٹیں چنیں گئیں دیواروں کی بلندی پانچ سو ہاتھ تھی، اس باغ میں ہزار محل تھے۔ ہر محل ہزار ستون پر مشتمل تھا۔ یہ ستون زمرد، یاقوت اور زبر جد سے بنائے گئے، وسط میں بڑی اور چھوٹی نہریں جاری تھیں۔ جن میں پانی، دودھ، شہد اور شراب بہتا تھا، نہروں کے کناروں اور روشوں پر زمرد، یاقوت اور مروارید بچھائے گئے تھے۔ طرح طرح کے میوہ دار اور سایہ دار درخت تھے۔ جن پر پرندے چہچہاتے پھرتے تھے۔ محلات میں زرتار قالین تھے۔ خدام وغلمان ہمہ وقت خدمت پر کمر بستہ تھے، سورج کی شعاعوں میں اس باغ کو دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ لیکن شداد بے داد اس باغ کو دیکھنے کی حسرت دل ہی میں لے کر مرا۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر، از امام رازی، جلد ۳۱، ص ۱۶۸؛ تفسیر عزیزی، از شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ پارہ ۳۰، ص ۱۶۲۔

سلام کے مذکورہ بالا شعر میں ارم سے مراد اعلیٰ نعمتوں سے بھری جنّت ہے۔ باغِ شدّاد اپنی پوری تابانی کے باوجود اس حقیقی جنت کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہو سکتا۔۔۔ یعنی حضور پر نور ﷺ جنت کے بادشاہ ہیں، جنت میں آپ کی سلطنت اور آپ کا تصرف جاری ہے۔ جسے چاہیں، جنت عطا فرمادیں۔ ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ القوی فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی عطا سے مالکِ جنّت ہیں، معطیِ جنت ہیں، جسے چاہیں، عطا فرمادیں، امام حجۃ الاسلام غزالی، پھر امام احمد قسطلانی مواہب اللدنیہ میں، پھر علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "ان اللہ تعالیٰ ملکہ الارض کلھا وانہ ﷺ کان یقطع ارض الجنۃ ماشاء منھا لمن شاء فارض الدنیا اولی" ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کی تمام زمینوں کا حضور کو مالک کردیا ہے حضور جنت کی زمین میں سے جتنی چاہیں، جاگیر بخشیں، تو دنیا کی زمین کا کیا ذکر؟" (فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ فیض آباد، جلد ۶، ص ۱۴۶؛ زرقانی علی المواہب، جلد ۵، ص ۲۴۲)

حافظ الملت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: "وکان یحی ﷺ بقطع الاراض قبل فتحھا لان اللہ تعالیٰ ملکہ ایاھا یفعل فیھا ماشاء وقد اقطع تمیم الداری وذریتہ قریۃ ببیت المقدس قبل فتحہ وھی فی ید ذریتہ الی الیوم واراد بعض الولاء التشویش علیھم فافتی الغزالی بکفرہ قال لان النبی ﷺ کان یقطع ارض الجنۃ فارض الدنیا اولیٰ" (الخصائص

الکبریٰ، طبع لائل پور، جلد ۲، ص ۲۴۲) مالک ارض دنیا اور ارض جنت، حضور سید والا ﷺ زمین فتح ہونے سے پہلے، جس کے نام چاہتے زمین کا قطعہ جاگیر کر دیتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو تمام زمین کا مالک بنادیا ہے۔ اس ارضِ دنیا میں۔ جس طرح چاہیں، تصرف کریں اور بے شک حضور نے بیت المقدس میں ایک بستی، فتح ہونے سے پہلے، حضرت تمیم داری اور ان کی اولاد کے نام جاگیر کر دی، وہ بستی آج تک ان کی اولاد کی ملکیت و قبضے میں چلی آتی ہے، بعض حاکموں نے اس بستی کی ملکیت میں ان کی اولاد پر تشویش کا ارادہ ظاہر فرمایا، تو امام غزالی نے اس حاکم پر کفر کا فتویٰ دیا، فرمایا کہ حضور ﷺ جنت کی زمین جس کے نام چاہتے ہیں، جاگیر کر دیتے ہیں۔ تو دنیا کی زمین بطریقِ اولیٰ جس کے نام چاہیں جاگیر فرمادیں۔

حضور سید الوریٰ، شہِ بطحا، مالکِ کون و مکاں ﷺ کی جامعیتِ کبریٰ اور افضلیتِ تامۂ مطلقہ، کاملہ کو حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اس جہت سے بیان کیا ہے: "قال الغزالی فی الاحیاء لاجل اجتماع النبوۃ و الملك و السطنة لنبینا ﷺ کان افضل من سائر الانبیاء فانه اکمل الله تعالیٰ به صلاح الدین و الدنیا او لم یکن السیف والملك الغیرہ من الانبیاء" (خصائص کبریٰ، جلد دوم، ص ۱۹۴۔ جواہر البحار، جلدِ اوّل، ص ۲۹۰) امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں فرمایا: چونکہ ہمارے سرکار نبی مختار ﷺ نبوت، ملک اور سطنت کے جامع ہیں، اس لیے باقی سب انبیاء سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضور کے وسیلے سے دین و دنیا کی صلاح مکمل فرمائی۔

سلطانِ جنّت، قاسمِ جنّت، معطیِ جنّت، شہریارِ ارم ﷺ کی کنیت ابو القاسم ہے۔ اس کی وجۂ تسمیہ کی ایک توجیہ حضرت شیخ محدث محقق عبد الحق علیہ رحمۃ الحق علمائے اعلام کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں: "وکنیته ابو القاسم لانه یقسم الجنة بین اهلها" (مدارج النبوت، جلدِ اوّل، ص ۲۶۶۔ اردو ترجمہ، ۴۷۵؛ زرقانی، جلدِ سوم، ص ۱۵۱) حضور جنتیوں میں چونکہ جنت تقسیم فرماتے ہیں، اس لیے آپ کی کنیت ابو القاسم ٹھہری۔ ظاہر ہے تقسیم جنت کے لیے آپ کا، باذن الٰہی و بعطائے الٰہی مالک جنت ہونا لازم ہے اور یہی معنی ہے۔ "شہریار ارم" کا۔ ترمذی اور دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد بیان فرمایا: "الکرامة والمفاتیح یومئذ بیدی" (مشکوٰۃ، ص ۵۱۲؛ خصائص کبریٰ، جلد ۲، ص ۲۱۸؛ جواہر البحار (عن مکتوبات المجدد) جلد ۲، ص ۱۹۰)

حدیثِ مذکور کے ضمن میں شیخِ محقق نے یوں لکھا: (۱) "وبزرگی دادن وکلید ہائے بہشت وابواب رحمت آں روز بدست من است" (اشعۃ اللمعات، جلد ۴، ص ۴۷۷) "دراں روز ظاہر گردد کہ وے ﷺ محبوب الٰہی و سرور کائنات و مظہر فیوض نامتناہی اوست، جل وعلا، وخلیفہ رب العالمین و نائب مالک یوم الدین است۔۔۔ روز، روز اوست و حکم، حکم او، بحکم رب العالمین" (مدارج النبوت، جلدِ اوّل، ص ۲۸۶) حضورِ اکرم ﷺ کے کمالات میں سے بعض کا ظہور اس عالم میں روشن ہوا ہے اور کچھ کمالات وہ ہیں جن کا ظہور آخرت میں ہو گا، روزِ آخرت ظاہر ہو گا کہ حضور سرکار عالم ﷺ محبوب الٰہی، خلیفہ رب العالمین اور نائب مالک یوم الدین اور مظہر فیوض نامتناہی باری اسمہ تعالیٰ جل وعلا ہیں۔۔۔ اور بحکم رب العالمین وہ دن آپ کا دن ہو گا، اور حکم آپ ہی کا حکم ہو گا، نوشہ بزم جنت کی عظمت اس روز کھل کر سامنے آئے گی۔ متعدد ارشادات الٰہیہ عزاسمہ، احادیث نبویہ اور کلماتِ ائمۂ کبار سے یہ امر روشن ہے کہ حضور پر نور مولائے کل ﷺ کو مفاتیحِ عالم عطا ہوئیں۔

کتب سماویہ سابقہ اور کتب احادیث میں سے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں: "محمد رسول الله اسمه المتوکل۔۔۔ واعطی المفاتیح" (تورات شریف / حوالہ خصائص کبریٰ۔ جلد اوّل، ص ۱۱) حضرت عقبہ سے روایت ہے کہ مالک کلیدانِ ارض و سما ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) "اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض" (صحیح بخاری۔ جلد ۲، ص ۵۸۵، ۹۷۵۔ صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۵۰)

(۲) "بینا انا نائم اتیت بمفاتیح خزائن الارض" (صحیح بخاری، جلدِ اوّل، ص ۴۱۸، جلدِ دوم، ص ۱۰۳۸، ۱۰۸۰) صحیح مسلم، جلدِ اوّل، ص ۱۹۹) (نسیم الریاض، جلدِ اوّل، ص ۴۷۱)

(۳) "بینا انا نائم اذجئی بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی وفی روایة مفاتیح خزائن الارض" (شفا، جلدِ اوّل، ص ۱۳۳) امام اجل قاضی عیاض فرماتے ہیں: "قد اوتی ﷺ خزائن الارض و مفاتیح البلاد" (شفا، جلد اول، ص ۲۷۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت فرماتے ہیں: "اتیت بمقالید الدنیا علی فرس ابلق جاءنی به جبرئیل علیه قطیفة من سندس" (جامع صغیر، جلدِ اوّل، ص ۹۔ خصائص کبریٰ، جلدِ دوم، ص ۱۹۵) قاسم و خازن ہر نعمت کا فرمانِ عالی شان، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا: "۔۔۔ والی مفاتیح الجنة یوم القیامة ولا فخر" (خصائص کبریٰ، جلد ۲، ص ۲۲۴)

امام اجل واکمل محمد مہدی قدس سرہ القدسی فرماتے ہیں: ”وھوالذی یقسم الجنۃ بین اھلھا، (مطالع المسرات، مطبوعہ مصر، ص۲۴۶)

حدیث ربیعہ میں حضور قاسم ہر نعم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے علما نے ہر نعمت کی تقسیم مراد لی ہے۔ چنانچہ علامہ ملا علی قاری حنفی مکی (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: ”ویوخذ من اطلاقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الامر بالسوال ان اللہ تعالیٰ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق۔۔۔ و ذکر ابن سبع فی خصائصہ و غیرہ ان اللہ تعالی اقطعہ ارض الجنۃ یعطی منھا ماشاء لمن شاء“۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد ا، ص ۵۵۰۔ بحوالہ مقام رسول، ص ۳۱۰)

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا ہے، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کو قدرت عطا کی ہے کہ اس کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں، عطا فرمائیں۔۔۔ (پھر لکھا) امام ابن سبع وغیرہ علما نے حضور کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے کہ جنت کی زمین اللہ تعالیٰ نے حضور کی جاگیر کر دی ہے۔ اس میں سے جو چاہیں، جس کے لیے چاہیں، عطا فرمادیں۔

ان آیاتِ بینات، احادیثِ کریمہ اور اقوالِ علما و محدثین سے ثابت ہوا کہ مالک الملک جل وعلا نے اپنے نائبِ اکبر، خلیفۂ اعظم کو ہر قسم کے خزانوں کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، دنیا کی کنجیاں، نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، نبوت کی کنجیاں، جنت کی کنجیاں، نار کی کنجیاں۔۔۔ غرضیکہ ہر شے کی کنجیاں عطا فرما کر مالک و مختار بنا دیا ہے۔ آپ جسے چاہیں، جو چاہیں، جتنا چاہیں، جب چاہیں عطا فرمادیں، دنیا عطا فرمائیں، جنت عطا فرمائیں۔ مالکِ کل نے آپ کو مالک کل بنادیا ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

فان من جودک الدنیا وضرتھا
ومن علومک علم اللوح والقلم

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیاو ہرچہ می خواہی تمنا کن

شبِ معراج، جبرئیل امین کی بارگاہِ مصطفیٰ میں حاضری، براق کی پیشی، زمین و آسمان کی سیر اور جنّت و دوزخ کے احوال کے ملاحظہ فرمانے کی حکمتوں کے ضمن میں عارف باللہ امام اجل شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ القدس فرماتے ہیں: ”فقال (جبرئیل) یا محمد انما جئی بی الیك لاکون خادم دولتك و صاحب حاشیتك وجئی بالمرکب الیك لاظھار کرامتك لان الملوك من عاداتھم اذا استزاروا حبیبا او استدعوا قریباً و ارادوا ظھور کرامتھم واحترامھم ارسلوا اخص خدامھم وعزدوابھم لنقل اقدامھم فجئناك علی رسم عادۃ الملوك و آداب السلوك۔۔۔ یا محمد ان الملاء الاعلی فی انتظار ك و الجنان قد فتحت ابوابھاو زخرفت رحابھاو تزینت اترابھا وروق شرابھاکل ذلك فرحا بقدومك و سرورا بورودك و اللیلۃ لیکتك والدولۃ دولتك وانا منذ خلقت منتظرھذہ اللیلۃ“ (شجرۃ الکون طبع استنبول (۱۲۱۸ھ) ص ۱۵،۱۶) جبرئیل نے عرض کی کہ مجھے تو صرف آپ کی خدمت گزاری اور حاشیہ برداری کے لیے بھیجا گیا ہے، اور براق کو آپ کی عظمت کے اظہار کے لیے حاضر کیا گیا ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کی یہ عادت ہے کہ جب وہ اپنے حبیب کی ملاقات یا مقرب کی دعوت فرماتے ہیں، تو ان کی عزت و تکریم کے ظہور کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان کی طرف خاص خدام اور عمدہ سواریاں بھیجتے ہیں، تاکہ وہ ان پر سوار ہو کر آئیں، لہٰذا ہم بھی آپ کی خدمتِ اقدس میں بادشاہوں کی عادت اور راستوں کے آداب کو پیش نظر رکھ کر حاضر ہوئے ہیں۔

اے محبوب! ملاے اعلیٰ آپ کے انتظار میں ہیں اور جنّت کے دروازے وا کر دیے گئے ہیں، اس کی فرود گاہوں کو مزین کیا گیا ہے، اس کی حوروں کو سجایا گیا ہے، اس کے مشروبات کو مصفّٰی کیا گیا ہے، تمام فرحتیں آپ کے قدوم میمنت لزوم کے لیے اور تمام مسرتیں آپ کے ورودِ مسعود کی بدولت منائی جارہی ہیں۔ یہ رات آپ ہی کی رات ہے، اور یہ سلطنت صرف آپ ہی کے لیے ہے۔ اسی رات کے لیے میں اپنی تخلیق کے روز سے منتظر ہوں۔

اللہ اللہ! یہ ہیں ”شہریارِ ارم“ ۔۔۔ جن کی عظمتوں کے چرچے اوّلین میں ہوئے، آخرین میں ہورہے ہیں، ہوں گے، ملاے اعلیٰ میں ان کی عظمت، جنت اور جنتیوں میں ان کی عظمت، زمین میں اور زمین والوں میں ان کی عظمت، انسانوں میں ان کی عظمت، فرشتوں میں ان کی عظمت کا اظہار ہوا، ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا؛ بلکہ در حقیقت عظمت صرف وہی ہے، جو ان کی بارگاہ میں شرف باریابی پاسکے، ان کی نسبت۔۔۔ عظیم ہے۔ ان کی نسبت سے، ان کی طرف منسوب ہونے والے بھی عظمتیں پاتے ہیں۔ ارشادِ ربانی: ”وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لایعلمون“ (سورۂ منافقین) میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔

# مجرباتِ امام احمد رضا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

امام احمد رضا ایک عبقری عالم دین ہونے کے ساتھ عظیم روحانی پیشوا بھی تھے۔ تاہم تصوف و روحانیت کے حوالے سے ان کی تعلیمات و خدمات پر اب تک بہت محدود تحقیق ہوئی ہے اور محض چند ہی مضامین اس حوالے سے سامنے آئے ہیں۔ اس موضوع پر کثیر تحقیقی مواد موجود ہے اور ضرورت ہے کہ اسکالرز امام احمد رضا کی حیات کے اس پہلو پر تحقیقات پیش کریں۔ مستقل سلسلے "مجربات امام احمد رضا" میں ہر ماہ امام احمد رضا کی تعلیم کردہ دعائیں، اوراد و وظائف اور نصیحتیں پیش کی جاتی ہیں۔ (عبید)

## نقش نعل پاکِ حضور اکرم ﷺ

طبقۃً فطبقۃً شرقاً غرباً عجماً عرباً علمائے دین وائمۂ معتمدین نعل مطہر "حضور سید البشر" علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے، کتابوں میں تحریر فرماتے آئے اور انھیں بوسہ دینے، آنکھوں سے لگانے سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے اور دفعِ امراض و حصولِ اغراض میں اُس سے توسل فرمایا کیے اور بفضل الٰہی عظیم و جلیل برکات و آثار اُس سے پایا کیے۔

"علامہ ابوالیمٰن ابن عساکر و شیخ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی" وغیرہما علمانے اس باب میں مستقل کتابیں تصنیف کیں اور علامہ احمد مقتری کی "فتح المتعال فی مدح خیر النعال" اس مسئلہ میں اجمع وانفع تصانیف سے ہے، "محدث علامہ ابوالربیع سلیمٰن بن سالم کلاعی" و "قاضی شمس الدین ضیف اللہ رشیدی" و "شیخ فتح اللہ بیلونی جلبی" معاصر "علامہ مقتری و سید محمد موسیٰ حسینی مالکی" معاصر "علامہ ممدوح و شیخ محمد بن فَرَج سبتی و شیخ محمد بن رشید فہری سبتی و علامہ احمد بن محمد تلمسانی" موصوف و "علامہ ابوالیمٰن ابن عساکر" و "علامہ ابو الحکم مالک بن عبدالرحمٰن بن علی مغربی" و "امام ابوبکر احمد ابن امام ابو محمد عبد اللہ بن حسین انصاری قرطبی" وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نقشۂ نعلِ مقدس کی مدح میں قصائدِ عالیہ تصنیف فرمائے۔ ان سب [کتابوں] میں اُسے بوسہ دینے، سر پر رکھنے کا حکم و استحسان مذکور اور یہی "مواہب لدنیہ" امام احمد قسطلانی و "شرح مواہب" علامہ زرقانی وغیرہما کتبِ جلیلہ میں مسطور وقد لخصنا اکثر ذٰلك فی کتابنا المزبود (اور ہم نے اکثر کا خلاصہ اپنی مذکور کتاب میں ذکر کیا ہے۔ ت)

**علما فرماتے ہیں:**

- ✡ **جس کے پاس یہ نقشۂ متبرکہ ہو ظلمِ ظالمین و شرِّ شیطانی و چشمِ زخمِ حاسدین سے محفوظ رہے۔**
- ✡ **عورت دردِ زہ کے وقت اپنے داہنے ہاتھ میں لے آسانی ہو۔**
- ✡ **جو ہمیشہ پاس رکھے نگاہِ خلق میں معزز ہو زیارتِ روضۂ مقدس نصیب ہو یا خواب میں زیارتِ حضورِ اقدس ﷺ سے مشرف ہو۔**
- ✡ **جس لشکر میں ہو نہ بھاگے۔**
- ✡ **جس قافلہ میں ہو نہ لٹے۔**
- ✡ **جس کشتی میں ہو نہ ڈوبے۔**
- ✡ **جس مال میں ہو نہ چُرے۔**
- ✡ **جس حاجت میں اس سے توسّل کیا جائے پُوری ہو۔**
- ✡ **جس مراد کی نیت سے پاس رکھیں حاصل ہو۔**
- ✡ **موضع درد و مرض پر اسے رکھ کر شفائیں ملی ہیں۔**
- ✡ **ہلکوں مصیبتوں میں اُس سے توسّل کرکے نجات و فلاح کی راہیں کھلی ہیں۔**

اس باب میں حکایاتِ صلحا و روایاتِ علما بکثرت ہیں کہ امام تلمسانی وغیرہ نے "فتح المتعال" وغیرہ میں ذکر فرمائیں۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۱، ص ۴۱۳، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

# دور و نزدیک سے

## قارئینِ معارفِ رضا کے خطوط و ای میل اور خبریں

**ذوالقرنین قادری**(ڈیرہ غازی خان، پاکستان)
ہمارے پاس اعلیٰ حضرت کی تصنیف فتاویٰ رضویہ کی دو قلمی جلدیں موجود ہیں: جلد اول اور جلد سوم۔ یہ جلدیں برائے فروخت ہیں اگر آپ کو ان کی ضرورت ہے تو میری فیس بک کی آئی ڈی پر رجوع کریں۔ (ای میل بخط رومن)

**سید ہاشمی رضوی**(ممبئی، انڈیا)
الحمد للہ آپ کی سائٹ دیکھی، آنکھوں کو سرور نصیب ہوا۔ رب کائنات اپنے حبیب لبیب علیہ السلام کے وسیلے آپ حضرات کو اور زیادہ مسلک اعلیٰ حضرت پر کام کرنے اور اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ سے گذارش یہ ہے کہ حضرت وجاہت رسول قادری صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی کوئی تحریر مسلک اعلیٰ حضرت اور دور حاضر سائٹ پر ڈالی جائے۔ جزاک اللہ خیراً کثیراً (ای میل بخط رومن)

**شبنم خاتون**(بنارس، انڈیا)
Aassalamu alaikum, Sayed Wajahat Rasool Qadri Sahib, I haven't heard anything from you for long. I hope you are keeping good health by the grace of Almighty Allah. I am sorry, I could not write you a letter for last many months. But that was because of circumstances beyond my control. I hope you will excuse me for this. You will be glad to know that I have submitted my PhD thesis and it was awarded. Uncle, my thesis manuscript is ready and is lying with me and I want to publish it. Kindly let me know if you can publish the same. If so, kindly intimate me with all terms and conditions. I would be glad if you kindly intimate me with your decision at the earliest. (ای میل)

**محمد دانش صدیقی**(کراچی، پاکستان)
سلام، کیا حال ہیں آپ کے؟ میں آجکل کافی مصروف ہوں اس لئے معذرت کرتا ہوں کافی دن کے بعد آپ سے رابطہ کیا۔ دو باتیں پوچھنی تھیں: اعلیٰ حضرت اور علم نیت، امام احمد رضا اور حقوق العباد پر کوئی کام ہوا ہے۔ اگر نہیں تو کیا میں اپنے انداز میں کوشش کروں؟ دعاؤں کی درخواست ہے۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ (ای میل بخط رومن)

**شمس الہدیٰ**(مراد آباد، انڈیا)
Assalamu alaikum, Dear sir, I am very happy to visit you website. What can I do for you? And is there any course for teaching us specially? Jazak Allah.(ای میل)

**یوسف انجم**(پاکستان)
Assalaam alaikum. Respected sir, please send me educational thought of Imam Ahmad Raza Khan Barelvi.(ای میل)

**محمد امجد رضا امجد**(پٹنہ، انڈیا)
شکریہ کہ آپ نے جواب سے نوازا۔ پوری دنیائے سنیت بالخصوص دنیائے رضویت حضرت سید صاحب قبلہ کی صحت کے لئے فکر مند ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت رضویت کے اس مجاہد کو جلد رو بصحت فرمائے اور انہیں چین و سکون عطا فرمائے۔ آپ نے کبھی مطالبہ نہیں کیا اس لیے کوئی مضمون ارسال نہیں ہوا۔ میں انشاء اللہ بہت جلد کئی مقالات ارسال کرتا ہوں، اپنے بھی اور دوسرے محققین کے بھی۔ آپ حضرت سید صاحب سے میرا اسلام محبت پیش فرمائیں۔ اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کا کوئی ای میل ہو تو عنایت فرمائیں تاکہ ان سے رابطہ رکھوں۔ دیگر حالات اچھے ہیں۔ امید ہے آپ اچھے ہوں گے۔ (ای میل)

**محمد ریاض احمد اویسی رضوی** (بہاولپور، پاکستان)

بہ خدمتِ اقدس حضرت قبلہ سیّد وجاہت رسول قادری صاحب، مدظلہ العالیٰ السلام علیکم! فقیر آپ کی صحت و عافیت کے لیے دعا گو رہتا ہے۔ آپ ہمارے اسلاف کی یادگار ہیں، مسلک رضا کے فروغ کے لیے آپ کی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے لائق ہیں۔ ادارے کے جملہ احباب کو سلام مع الاکرام۔

**حاجی رانا محمد شفیع** (سیالکوٹ، پاکستان)

کتاب کا نام: "تعلیمی افکارِ رضا پر تحقیق"

اس کتاب میں درج عنوانات ہیں ان کو براہِ مہربانی بذریعہ VP پوسٹ کردیں۔ عین نوازش ہوگی۔ شکریہ (۱) حالات (۲) مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا نظریہ تعلیم (۳)اسلامی تعلیم (۴) تعلیم میں نظریاتی اقدامات (۵) تعلیم سے متعلق اکابر ماہرین تعلیم کے نظریات (۶) مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے اہم نظریات (۷)مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا مقیاسِ ذہانت (۸) مولانا احمد رضا خاں بریلوی بحیثیت ایک عظیم ماہر تعلیم (۹) الارشاد (تعلیمی نظریات)

**سید شمس الاسلام کاظمی** (گورنمنٹ کالج، ملتان، پاکستان)

محترم جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: خدائے بزرگ وبرتر کا خاص کرم اور انعام ہوا کہ اُس ذاتِ بابرکات نے آپ کو اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب فرمالیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنتِ شاقہ کو قبول فرمائے اور آخرت میں ذریعۂ نجات فرمائے۔ آمین! کالج ہذا کی لائبریری میں ماہنامہ "معارفِ رضا" کا شمارہ کچھ عرصے سے آنا شروع ہوا، بندۂ ناچیز لائبریری سے پیار کرنے کا مجرم ہے۔ "معارفِ رضا" کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ بندہ ایک نئے جہان سے متعارف ہو رہا ہے۔ مفکرِ اسلام حضرت احمد رضا علیہ الرحمۃ بریلوی کی ذاتِ والا تبار کے کئی پہلو ہم پر آشکار ہوئے۔ تحقیقی مقالہ جات کا سلسلہ ایک صحت مندانہ علمی سرگرمی ہے۔ پروفیسر سید عبدالرحمٰن بخاری شاہ صاحب جس طرح معلومات کو ترتیب دے کر پیش کرتے ہیں، قابلِ ستائش ہے۔ پروفیسر دلاور خاں صاحب کے اداریے نما مضامین پُر مغز نکات کو سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگست کا شمارہ حسبِ سابق، معیاری مواد اور معلومات سے بھرپور تھا۔ مزید ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے وطن کی حفاظت فرمائے۔ کراچی پر اپنی رحمتِ خاص فرمائے، دشمنوں کے ناپاک ارادوں کو ناکام بنائے اور ہمارے دلوں میں توحید اور رسالت کی شمع کو ہمیشہ روشن فرمائے رکھے۔

## ویب سائٹ کی خبریں

گذشتہ ماہ پاکستان، انڈیا، امریکا، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کینیڈا، ماریشس، عمان، جرمنی، فرانس، روس، اسپین، قطر، ڈنمارک، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، برازیل، چین، آئرلینڈ، نیدرلینڈ (ہالینڈ)، کانگو، مالدیپ، فلپائن، پولینڈ، سینیگال، ملائشیا، عراق، سائپرس، ایران، فی جی، بحرین، ترکی، سنگاپور، بنگلہ دیش، سوئزرلینڈ، کویت، ہانگ کانگ، اُردن، کازکستان، سری لنکا، جنوبی کوریا، ناروے اور اٹلی وغیرہ ممالک کے ۱۴۵سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی ویب سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔

## ادارے میں موصول ہونے والے رسائل و کتب

| نمبر شمار | کتاب کا نام | مصنف\مرتب\مترجم | صفحات | ناشر |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | شرح العقائد النسفیہ مع حاشیہ جمع الفرائد | سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی | ۳۸۲ | مکتبۃ المدینہ، کراچی |
| ۲ | بہارِ شریعت جلد اوّل (حصہ ۱ تا ۶) مع تخریج و تسہیل | صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی | ۱۲۵۴ | مکتبۃ المدینہ، کراچی |
| ۳ | اَلشُّکر للہ (اردو ترجمہ: شکر کے فضائل) | امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد قرشی | ۱۲۸ | مکتبۃ المدینہ، کراچی |
| ۴ | رسالۃ المذاکرۃ (اُردو ترجمہ: اچھے برے عمل) | امام عبد اللہ بن علوی حداد حضرمی شافعی | ۱۲۸ | مکتبۃ المدینہ، کراچی |
| ۵ | مدینے کی مچھلی | مولانا محمد الیاس عطّار قادری رضوی | ۴۴ | مکتبۃ المدینہ، کراچی |

محترم قارئین! ماہنامہ معارفِ رضا اپنی ارتقائی منزل کی طرف گامزن ہے اس کا معیار بلند کرنے اور اس میں بہتری کی کافی گنجائش موجود ہے جس میں آپ کی تعمیری اور مخلصانہ تجاویز ہماری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔ اسی مقصد کے لیے یہ جائزہ فارم شائع کیا جارہا ہے۔ اس کی فوٹو کاپی کرا کے کسی عنوان پر اپنی قیمتی آراء درج کرنے کے بعد ہمیں ارسال فرمائیں۔ اسی طرح اداریہ، تبصرۂ کتب اور دیگر امور پر رسالے کی مجموعی بہتری کے لیے اپنی تجاویز سے آگاہ فرمائیں۔ شکریہ۔ (دلاور خاں)

عنوان: ______________________

مضمون / مقالہ نگار: ______________ ماہ: ________ سن: ________

## تمہید

خوبیاں: ______________

خامیاں: ______________

اصلاحی تجاویز: ______________

## صحتِ متن

خوبیاں: ______________

خامیاں: ______________

اصلاحی تجاویز: ______________

## رموز واوقاف

خوبیاں: ______________

خامیاں: ______________

اصلاحی تجاویز: ______________

## اقتباس

خوبیاں: ______________

خامیاں: ______________

اصلاحی تجاویز: ______________

## حوالہ جات

خوبیاں: ______________

خامیاں: ______________

اصلاحی تجاویز: ______________

## مجموعی تاثرات

______________________

______________________

جائزہ کار کا نام: ____________ فون نمبر: ____________ شہر: ________ دستخط: ________